انتقادِ اُردو فکشن

ڈاکٹر نسیم عباس احمر

انتقادِ اُردو فکشن

ڈاکٹر نسیم عباس احمر

مثال پبلشرز
رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد

اشاعت : 2019

کتاب : انتقادِ اُردو فکشن

مصنّف : ڈاکٹر نسیم عباس احمر

ناشر : محمد عابد

تزئین : رانا رضوان

قیمت : 300 روپے

مطبع : بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور

Intiqad-e-Urdu Fiction

by

Dr. Nasim Abbas Ahmer

Edition - 2019

اہتمام

مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پور بازار، فیصل آباد
+92-41-2615359, 2643841, Cell:+92-300-6668284
email: misaalpb@gmail.com

شوروم

مثال کتاب گھر، صابریہ پلازہ، گلی نمبر 8، منشی محلّہ، امین پور بازار، فیصل آباد

ڈاکٹر روبینہ ترین

کے نام

فہرست

پیش لفظ
9

داستان ـــــ شعریات اور انتقاد
11

ناول ـــــ تشکیلات اور انتقاد
33

افسانہ ـــــ مبادیات اور انتقاد
69

ضمیمہ
ڈراما ـــــ جمالیات اور انتقاد
99

پیش لفظ

اُردو تنقید کے سرمائے کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ فکشن کی تنقید کا حصہ بسیط و وقیع ہے۔ خاص طور پر فکشن کی تنقید کا رجحان اکیسویں صدی میں غالب رہا ہے۔ جب سے نجی جامعات اور الحاق شدہ اِداروں میں ایم۔فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات نے دن دگنی رات چگنی ترقی کی ہے، تب سے مقالات کی طباعتی صورتیں بھی تیزی سے جلوہ گر ہونا شروع ہوئی ہیں۔ ایک ہی موضوع پر پہلو بدل بدل کر ایک ہی طرح کی کتب کے سامنے آنے سے تعین قدر کی معیار بندی میں سہولت ہوتی جا رہی ہے۔ کتب کی اشاعت میں تیز ترین اضافہ اُردو کی ترویج و اشاعت میں یقیناً اہم سنگ میل ہے، لیکن ان اشاعت گھروں اور اشاعتوں میں مقداری اضافہ رطب و یابس کی جمع آوری اور سرقوں کی اَن گنت مثالوں کو بھی طشت از بام کرے گا۔ قارئین اگر اس بحث سے اغماض برت لیں، آنکھیں میچ لیں، تیل دیکھیں اور تیل کی دھار دیکھیں تو صورت آہستہ آہستہ مزید کُھل کر سامنے آئے گی۔ فکشن کی تنقید میں کساد بازاری کے باوجود معتبر معیاری کتب کا بھی وسیع سرمایہ موجود ہے جو اپنا مقام و مرتبہ منوا چکا ہے۔

ڈاکٹر ارتضٰی کریم کی تصنیف ''اُردو فکشن کی تنقید'' ۱۹۹۶ء میں اور ''افسانوی نثر پر تحقیق'' از سکندر حیات میکن، ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئی۔ اوّل الذکر نوّے کی دہائی اور مؤخر الذکر آزادی

کے بعد کی تنقیدی کتب کا احاطہ کرتی ہے۔ابتدا سے عہد موجود تک کی تنقید کے مجموعی جائزہ کا جواز بھی موجود ہے اور یہی اس کتاب کا مقصود ہے۔

کتابیات اور قاموس الکتب کی تیاری، حوالہ جاتی تحقیق میں اہمیت کی حامل رہی ہے۔کتابیات محققین کے لیے نشان راہ کا کام کرتی ہیں۔مذکورہ کتاب میں داستان، ناول اور افسانہ کی تنقیدی روایت کے جائزے کے ساتھ ساتھ ان افسانوی اصناف پر لکھی جانے والی کتب کی زمانی ترتیب کے تحت فہرست مرتب کی گئی ہے۔یہ روایت اور کتابیات صرف فکشن کی تنقیدی کتب تک محدود ہیں۔ضمیمے میں اُردو ڈرامے کی تنقیدی روایت اور فہرست کتب بھی دی گئی ہے۔کتابیات کی حتمیت اور کاملیت کا قطعاً دعویٰ نہیں۔امید ہے یہ کاوش فکشن سے دلچسپی رکھنے والوں اور محققین کے لیے سودمند ہوگی۔

خیر خواہوں اور بدخواہوں کے لیے دُعائیں کہ دُنیا میں دوسرا پھیرا نہ ہوگا۔

ڈاکٹر نسیم عباس احمر

داستان: شعریات وانتقاد

داستان کے لغوی معنی طویل قصہ، کہانی کے ہیں۔ اصطلاحی مفہوم میں داستان ایک ایسا طویل قصہ ہے جو دلچسپ، حیرت زا، مہماتی، اور مافوق الفطرت عناصر پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ ایسا قصہ ہے جس کا تعلّق سننے اور سنانے کے ساتھ ہے۔ داستان میں جو موضوعات اُبھرتے ہیں، ان میں عشق، عدل و انصاف، خیر و شر کا تصادم، مہمات، اخلاقی نصائح، تقدیر و تدبیر، جنس نگاری اور عصری تہذیب و معاشرت کی مرقع کشی نمایاں ہیں۔ داستان کا پلاٹ عمومی طور پر مرکب اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ طوالت کے لیے قصہ در قصہ اور ضمنی کہانیاں کام آتی ہیں۔ مختصر آغاز وانجام؛ ارتقاء عروج، اُلجھاؤ اور سلجھاؤ کی داستان سناتا ہے۔ داستان کے کردار مثالی، اعلیٰ اور بالا طبقے سے تعلّق رکھنے والے بادشاہ، شہزادے اور شہزادیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ شہزادے ہیرو کا کردار نبھاتے ہوئے نیک، جرأت مند، بہادر، مستقل مزاج، دُوراندیش اور عاشق مزاج ہوتے ہیں۔ شہزادیاں ہیروئن ہوتی ہیں اور وہ حسن میں یکتا، وفادار اور ایثار کیش ہوتی ہیں۔ یہ کردار متحرک ہوتے ہیں۔ نچلے طبقے کے کردار صرف طبقہ بالا کے خدمت گزاروں کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ اکثر داستانوں میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے رشتے اپنے اخلاص وایثار کے ساتھ نمایاں ہوتے ہیں۔ جن، پریاں، بھوت اور جادوگروں کے کردار پست اخلاق، بدمست، ظالم، مغرور اور بت پرست ہوتے ہیں، یہ کردار جامد رہتے

ہیں۔ داستانیں مبالغہ آرائی، کایا کلپ، غیبی امداد اور اتفاقات کو وسیلہ بناتی ہیں۔ غیر زمانی و غیر مکانی تصور Make Believe کی تکنیک کو کامیاب بناتا ہے۔ داستانیں سادہ و رنگین ہر دو اسلوب کی حامل ہوتی ہیں۔ روزمرہ، محاورہ، کہاوت، قافیہ آرائی، شعریت و موسیقی جیسی خصوصیات لطافت بیان کا سبب بنتی ہیں۔

اُردو کی پہلی داستان ''سب رس'' از ملا وجہی ۱۶۳۵ء میں سامنے آئی۔ اٹھارویں صدی کی داستانوں میں ''نوطرزِ مرصع'' از عطا حسین خاں تحسین، ''نو آئین ہندی'' از مہر چند کھتری اور ''عجائب القصص'' از شاہ عالم ثانی اہم ہیں۔ انیسویں صدی کی پہلی دو دہائیاں، داستان گوئی کے فروغ میں فورٹ ولیم کالج کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔ فورٹ ولیم کالج نے سادہ بیانیے میں داستانوں کے تراجم کروائے۔ ۱۸۲۰ء تک فورٹ ولیم کالج کے تحت لکھی جانے والی داستانوں میں: ''باغ و بہار'' از میر امن، ''طوطا کہانی'' از حیدر بخش حیدری، ''داستانِ امیر حمزہ'' از خلیل علی خاں اشک، ''مادھونل کام کنڈلا'' از مظہر علی خاں، ''بیتال پچیسی'' از مظہر علی خاں ولا، ''مذہب عشق'' از نہال چند لاہوری، اور ''خرد افروز'' از حفیظ الدین احمد شامل ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کے باہر جو داستانیں لکھی گئیں ان میں انشا اللہ خاں انشا کی دو داستانیں ''رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی کہانی'' اور ''سلکِ گوہر''، محمد عوض زریں کی ''نوطرزِ مرصع'' اور محمد بخش مہجور کی ''گلشنِ نو بہار'' اہم ہیں۔ ۱۸۲۰ء سے ۱۸۵۷ء کی داستانوں میں رجب علی بیگ سرور کی داستانیں: ''فسانہ عجائب''، ''سرور سلطانی''، ''شگوفہ محبّت'' اور شمس الدین احمد، منشی عبدالکریم، حیدر علی فیض آبادی اور رتن ناتھ سرشار کے الف لیلہ کے تراجم سامنے آئے۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۰ء تک کے دور کو ہم طویل داستانوں کا دور کہہ سکتے ہیں۔ اس دور میں داستانِ امیر حمزہ، الف لیلہ اور بوستان خیال کے تراجم کئی کئی جلدوں میں ہوئے۔ داستانِ امیر حمزہ چھیالیس اور بوستان خیال تیرہ جلدوں پر محیط ہے۔ اس دور میں فسانہ عجائب کا جواب ''سروشِ سخن'' از فخر الدین سخن اور سروشِ سخن کا جواب ''طلسم حیرت'' از جعفر علی خاں شیون کی صورت میں سامنے آیا۔ لکھنؤ کے ساتھ ساتھ رام پور میں بھی داستان کی روایت پروان چڑھی۔

اُردو میں داستان نویسی کا سلسلہ ۱۹۴۰ء تک جاری رہا۔

اُردو داستان پر پہلی باقاعدہ کتاب کلیم الدین احمد کی ''اُردو داستان اور فن داستان گوئی'' ہے جو ۱۹۴۲ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب میں نظری اور عملی مباحث سامنے آتے ہیں۔ ''داستان کیا ہے؟'' اور ''داستان کی تکنیک'' کے عنوان سے مضامین میں نظریاتی بحث کی گئی ہے۔ وہ داستان کو خواب آور گولی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے دل بستگی کا ذریعہ گردانتے ہیں۔ کسی بھی قوم کے شعر و تخیّل اور تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے لیے داستان ایک نمائندہ بنتی ہے۔ جیسا کہ ہر اچھے ادب کا بنیادی عنصر دلچسپی ہوتا ہے اسی طرح داستان کے لیے بھی دلچسپی بنیادی شرط ہے۔ وہ کہانیوں کے اچھے اور بُرے ہونے کی پہچان کی کسوٹی بھی دلچسپی کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عشق اور مافوق الفطرت عناصر بھی اہم جزو ہیں۔ سادگی اور اختصار کے ساتھ ساتھ داستان گو کی شخصیت کو پردہ میں رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اُن کے خیال میں غیر فطری عناصر کی موجودگی داستان کو پیچیدہ اور رنگین بناتی ہے۔ وہ بُعد زمان و مکان کو داستان کی اہم تکنیک گردانتے ہیں۔

کلیم الدین احمد، حقیقت نگار اور مغرب پسند نقاد ہونے کے باوجود فن داستان کی اہمیت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

> ''داستان گوئی ایک فن ہے اور اپنے حدود و نقائص کے باوجود دلچسپ فن ہے اور اس قدر کم قیمت نہیں کہ ہم اسے یک قلم نظر انداز کر سکیں۔ افسوس ہے کہ موجودہ زمانہ میں اس فن کے جاننے اور برتنے والے نہیں ملتے اور اب یہ فن دنیائے ادب میں زندہ فن کی حیثیت نہیں رکھتا اور کوئی دوسری صنفِ سخن اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم کولرج کے الفاظ پر عمل کریں تو داستانوں سے کافی لطف حاصل کر سکتے ہیں اگر ہم اپنی بے اعتقادی کو بہ رضا و رغبت معرض التوا میں ڈال دیں، اگر ہم تخیّل کی اس موہوم پیداوار کا عارضی طور پر اعتبار کر لیں تو ہمارے لیے ایک دلچسپ دنیا کا دروازہ کھل جائے گا۔'' [۱]

انھوں نے اس کتاب میں دو داستانوں ''طلسم ہوش ربا'' اور ''بوستانِ خیال'' کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔ وہ ''داستانِ امیر حمزہ'' کو داستان گوئی کی معراج سمجھتے ہیں۔ ''طلسم ہوش رُبا'' کا موازنہ مغربی داستان کنگ لوتھر سے کرتے ہیں۔ مذکورہ داستان میں عیاری کے عنصر کو آج کی حکومتوں کے خفیہ محکموں کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ اس داستان میں پردے کے ذکر کو اسلامی کی بجائے ہندوستانی تہذیب کے زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ طلسم ہوش ربا کی دلکشی کے اسباب میں جادوگری، تنوع اور مجموعہ اضداد (آزاد تخیّل اور واقعی چیزوں کی جلوہ گری میں مقامی رنگ) اہم ہیں۔ اسی فطری اور غیر فطری رنگوں کے امتزاج کو دلچسپ طریقہ کہا ہے۔ اس داستان کے نقائص میں ربط و اتحاد کی عدم موجودگی، احساسِ تناسب کی کمی، تکرار، طوالت اور زبان کا ناگوار تصنّع شامل ہیں۔ اُردو ادب سے وابستہ افراد کو اس داستان کی انشاء پردازی، تشبیہوں اور ذخیرہ الفاظ سے استفادے کی ترغیب بھی دلاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ''بوستانِ خیال'' کی اہم خصوصیات اعتدال، انتخاب اور اختصار ہیں۔ جہاں فوق فطری چیزیں بھی فطری لگتی ہیں۔ وسعتِ خیال کے ساتھ علمیت کے عنصر کو بھی نمایاں کیا ہے۔ واقعیت اور علمیت کے ساتھ ساتھ ظریفانہ رنگ بھی جھلکتا ہے۔ اس کے بعد ''بوستانِ خیال'' پر ''داستانِ امیر حمزہ'' کے اثرات کا مفصّل بیان ملتا ہے۔ ''مختصر داستانیں'' کے عنوان سے ''باغ و بہار''، ''آرائشِ محفل'' اور ''فسانۂ عجائب'' کے فن اور اسلوب کا موازنہ کیا گیا ہے۔ فسانۂ عجائب کو دیگر داستانوں کی نقالی قرار دیا ہے۔ ''منظوم داستانیں'' میں ''گلزارِ نسیم'' کی خصوصیات واضح کی ہیں۔ ''خاتمہ'' والے حصے میں داستان کی ناول اور افسانے کے مقابلے میں اہمیت اجاگر کی ہے۔ ناولوں کو مغربی ناولوں کے مقابل اپنی روایتی تنقیدی نظریات کی روشنی میں ہیچ سمجھتے ہیں۔

اُردو داستان کے حوالے سے دوسری اہم کتاب ۱۹۵۴ء میں ''اُردو کی نثری داستانیں'' از گیان چند کے نام سے سامنے آئی۔ اس داستان کا دوسرا ایڈیشن ترمیم و اضافہ (حتیٰ کہ ابواب کی بھی تبدیلی) کے ساتھ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔

اس کی بنیادی خصوصیات داستان کا فن، اُردو داستان کی روایت بہ اعتبار ادوار جائزہ اور طویل داستانوں کا تعارف وتراجم کی تفصیل ہے۔ داستان کی شعریات کی تشکیل کے ضمن میں یہ پہلی با قاعدہ کوشش ہے۔ داستان کی روایت کو عالمی ادب کے تناظر میں نمایاں کیا ہے۔ وہ داستان میں طوالت کو بنیادی شرط سمجھتے ہیں اور صرف طویل داستانوں کو ہی داستان کے زمرے میں شامل کرتے ہیں۔ داستان کا موضوع عشق ہے۔ پلاٹ پر بحث کرنے کے بعد داستان کو طوالت دینے کے دوگر؛ قصہ در قصہ اور ضمنی کہانیوں کی مثالوں سے وضاحت کرتے ہیں، مافوق الفطرت عناصر، منظر نگاری جو اسلوب کی طوالت کو دلچسپی کا وسیلہ کہتے ہیں۔ داستان میں مثالی کردار اعلیٰ طبقہ سے ہوتے ہیں جو عشق، جنگ اور عیش کرتے ہیں۔ داستانوں کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ داستانیں اگر چہ بے عمل معاشرے میں مروّج ہوتی ہیں لیکن داستانوں کے اندر تیزی، تبدیلی اور انقلابی رنگ جھلکتے ہیں۔ داستانوں میں جنس نگاری کے رجحان پر بھی قلم فرسائی کی ہے۔ داستانیں تہذیب ومعاشرت کے مرقع بھی ہیں اور تہذیب کے یہی تفصیلی بیانات داستان کی قدر و قیمت کا راز ہیں۔ اسلوب کے حوالے سے دو داستانوں ''رانی کیتکی'' (عربی، فارسی، ٹھیٹھ لفظیات کا نمونہ) اور ''طلسم حیرت'' (ضلع جگت کا مرقع) کو اہمیت دی ہے۔ داستان کے زوال کے اسباب میں قوم کی ذہنی ترقی، حقیقت نگاری کا رجحان، سرسید تحریک کے اثرات اور انیسویں صدی میں قوم کی مصروفیت اور وقت کی قلت گردانتے ہیں۔ رجب علی بیگ سرور کو اُردو کا بڑا داستان گو قرار دیا ہے اور ''سرور کا عہد'' کے عنوان سے مکمّل باب باندھا ہے۔ الف لیلیٰ اور داستانِ امیر حمزہ کے تراجم کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ایک باب الف لیلیٰ کے تراجم پر ہے۔ داستانِ امیر حمزہ میں ظرافت کے پہلو پر نمایاں روشنی ڈالی ہے۔ ابواب بندی میں داستانوں کی روایت کو انیسویں صدی کے نصف اوّل تک محدود رکھا گیا ہے۔ داستانوں کی روایت کے ذِکر کے بعد، رجب علی بیگ سرور کے عہد پر ایک باب بنایا گیا ہے اور فورٹ ولیم کالج کی بعد کی داستانوں کا مکمّل احاطہ کرنے کی بجائے تین ابواب میں تمام توجہ الف لیلیٰ، داستانِ امیر حمزہ اور بوستانِ خیال پر مرکوز کی

گئی ہے۔ چالیس داستانوں کے مخطوطات سے استفادہ کیا ہے۔ اُردو داستان پر تحقیق وتنقید ہر دو حوالوں سے، اپنی نوعیت کا پہلا بنیادی اور منفرد کام ہے البتہ دوسرے ایڈیشن میں بہت سی معلومات ڈاکٹر سہیل بخاری کے غیر مطبوعہ مقالے سے لی گئی ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری اس کتاب کا بےلاگ تجزیہ یوں کرتے ہیں:

> ''اردو کی نثری داستانیں'' ایک تحقیقی مقالے کی حیثیت سے اس موضوع کے مختلف پہلو پیش کرتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کا اصل مقالہ ۱۸۷۰ء تک کی داستانوں پر مشتمل تھا، لیکن کتابی شکل میں لانے کے لیے انھوں نے اس پر کچھ اضافہ کرکے اس کے زمانے کو ۱۹۰۰ء تک پہنچا دیا۔ اس کے باوجود ان کی کتاب اردو داستان کی پوری تاریخ کا احاطہ نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں تمام داستانوں کو'' کہانیوں کے مجموعے''، ''مختصر داستانیں'' اور طویل داستانیں'' کے عنوان سے تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ تقسیم نہ زمانی ہے نہ مکانی۔ پھر اس کتاب میں داستانوں کے ایک بڑے اہم مرکز (رام پور) کو تقریباً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔'' [۲]

ساٹھ کی دہائی میں، داستان کی تنقید کے حوالے سے دوسرے اہم نقاد سیّد وقار عظیم ہیں۔ ان کی دو کتابیں ''ہماری داستانیں'' (۱۹۵۴ء)، ''داستان سے افسانے تک'' (۱۹۶۰) خاصے کی چیز ہیں۔ یہ کتابیں داستان کی عملی تنقید کا نمونہ ہیں۔ ''ہماری داستانیں'' پندرہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ پہلا مضمون کتاب کے عنوان پر ہے۔ اس مضمون میں غزل اور داستان کی مماثلت، داستان کی مختصر روایت، میر باقر علی کا مختصر تعارف، غالب کی داستان گوئی سے دلچسپی، دلی اور لکھنؤ میں لکھی جانے والی داستانوں کا فرق، داستانوں کے زوال کے اسباب، داستان پر ہونے والے اعتراضات اور ان کا جواب دیا گیا ہے۔ سید وقار عظیم کے نزدیک داستانوں میں مقامی اثرات کے ساتھ داستان گو کی اپنی شخصیت اور مذاق کے نقش بھی اُبھرتے ہیں۔ داستان کے زوال کے اسباب میں داستان کے قدر دانوں کا کم ہو جانا اور زمانے کے مذاق میں تبدیلی گنواتے ہیں۔ سید وقار عظیم داستان اور غزل کی مماثلت کے بیان سے

داستان کی اہمیت کو یوں نمایاں کرتے ہیں:

''اردو کی داستانوں کو مجموعی حیثیت سے اپنی نثر کی سب سے اہم صنف کہنے کا میرے پاس وہی جواز ہے جو غزل کو شاعری کی سب سے اہم صنف سمجھنے کا۔ جس طرح غزل ہمارے مشرقی مزاج اور اس مزاج کے اکثر نازک اور پیچیدہ پہلوؤں کا عکس ہے، اسی طرح داستانیں ہماری تہذیبی زندگی اور اس کے بے شمار گوشوں کی مصور و ترجمان ہیں۔ جس طرح غزل کے حرف حرف میں ہمارے ساز دل کی ہر جھنکار اور اس شیشہ کی ہر کھنک سنائی دیتی ہے اسی طرح داستان کی ہر سطر میں تقریباً ڈیڑھ سو برس کی معاشرت، تہذیب اور انداز فکر و تخیّل کا رنگ صاف جھلکتا اور چھلکتا نظر آتا ہے۔ غزل اور داستان دونوں ہماری داخلی اور خارجی زندگی کی بڑی مکمّل اور بڑی دلکش تصویریں ہیں۔'' [۳]

داستان کے غیر فطری ہونے کے اعتراض کے جواب میں وہ انھی غیر فطری عناصر کو داستان کے فطری عناصر قرار دیتے ہیں۔ وہ داستان کو کسی معاشرے کی تہذیبی زندگی کا مصوّر ایڈیشن کہتے ہیں۔ باقی مضامین مختلف داستانوں کے خاص زاویۂ نظر اور امتیازی خصوصیات کی روشنی میں مطالعے پر مبنی ہیں۔ مثلاً باغ و بہار کی قصہ گوئی، فسانۂ عجائب میں لکھنوی تہذیب، رانی کیتکی میں جدت تخیّل، نورتن کی کہانیوں کا تنوع، حاتم کے اسفار میں حقیقت اور تخیّل کا امتزاج، داستانِ امیر حمزہ کے مختلف نسخوں میں مصنّفوں کے مزاج اور ماحول کا مطالعہ شامل ہے۔ ''داستان سے افسانے تک'' سولہ مضامین کا مجموعہ ہے جس میں دو مضمون ''داستان سے افسانے تک'' اور داستان کے عہد کی ''مختصر کہانیاں'' داستان سے تعلّق رکھتے ہیں۔ ان مضامین میں جو باتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ ان میں داستان میں دلچسپی پیدا کرنے کے وسائل کا بیان ہے۔ دلچسپی پیدا کرنے کا ایک طریقہ طوالت ہے اور اسی طوالت نے کہانی کی وحدت اور توازن کو متاثر کیا ہے۔ کہانی میں عروج کا تصور ''رانی کیتکی'' میں پہلی دفعہ نظر آتا ہے۔ دلچسپی کا اہم عنصر تجسّس ہے اور اس تجسّس پر بھی تصنّع غالب آ جاتا ہے۔ حقیقت سے ورا

رومانی فضا کی تخلیق بھی دلچسپی کا وسیلہ ہے۔اس کے علاوہ سنسکرت، عربی اور فارسی میں داستان کی روایت اور پنچ تنتر کے تراجم کو بھی بیان کیا ہے۔اُن کے نزدیک ان داستانوں کا سلسلہ سنسکرت سے جا ملتا ہے۔فورٹ ولیم کالج کے تحت لکھی جانے والی داستانیں، بالواسطہ سنسکرت کی داستانوں کے ہی تراجم ہیں۔ اِن داستانوں کے سنسکرت الاصل ہونے کی دو وجوہات کی نشان دہی کی ہے کہ اول: قدیم ہندوستانی تہذیب اور اخلاقی و معاشرتی اقدار اور دوم: زبان و بیان کی سادگی، جو داستانیں فارسی سے ترجمہ ہوئیں ان پر فارسی اثرات زیادہ ہیں۔''اخلاقِ ہندی''، ''خرد افروز'' اور ''گنج خوبی'' تینوں ''کلیلہ و دمنہ'' کے سلسلے کی کڑیاں ہیں اس لیے اِن تینوں داستانوں پر فارسی کے اثرات ہیں۔

ساٹھ (٦٠) اور ستر (٧٠) کی دہائی میں سب رس، باغ و بہار اور فسانہ عجائب کے تنقیدی مطالعوں کا رجحان غالب رہا۔١٩٦٣ء میں سید ضمیر حسن کی کتاب ''فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ'' شائع ہوئی۔ اس کتاب کا مقصد فسانہ عجائب کے حقیقی مرتبے سے آشنائی ہے۔اس مقصد کے حصول کے لیے فسانہ عجائب کی کردار نگاری، مکالمات، منظر نگاری، زبان، تہذیبی پس منظر اور تاریخی و ادبی اہمیت کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ کتاب کی ابتدا میں دلی اور لکھنؤ کے دبستان شاعری کی خصوصیات کو نمایاں کیا گیا ہے۔سید ضمیر حسن نے فسانہ عجائب کی نثر کو فورٹ ولیم کالج کی سہل نثر نگاری کا جذباتی ردِعمل قرار دیا ہے۔ فسانہ عجائب میں لکھنوی معاشرت کو لکھنؤ کے رومانٹک ماحول سے تعبیر کرتے ہیں۔ داستان کی افادیت، روایت اور مقاصد کو مختصراً پیش کیا گیا ہے۔١٩٦٧ء میں ''رجب علی بیگ سرور۔حیات و کارنامے'' کے عنوان سے سامنے آنے والی نیّر مسعود کی یہ کتاب خاصے کی چیز ہے۔تحقیقی اور تنقیدی ہر دو حوالوں سے یہ کتاب اپنی اہمیت منوا چکی ہے۔ کتاب کا خاکہ، مضامین و مباحث کی ترتیب میں تمام تحقیقی رموز آشکار ہوتے ہیں۔ رجب علی بیگ سرور کی سوانح کی ترتیب میں اہم ماخذات سے مدد لی گئی ہے۔اُن کی تمام داستانوں کی تمام اشاعتوں کے تقابل اور مطالعے بھی اُن کی تحقیق کے لیے بھرپور داد کا وسیلہ ہے۔''فسانہ عجائب'' اور ''شگوفہ محبّت'' کے خصائص،

شہرت ومقبولیت اور اہمیت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ سرور کو بہ حیثیت مترجم، خطوط نویس، شاعر اور مؤرّخ، کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ سرور کے نثری اسلوب، دہلوی رنگ سے تقابل اور متبعین سرور پر الگ سے باب بنایا گیا ہے۔ تیرہ قلمی نسخوں کو ماخذ بنایا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کی ''سب رس پر ایک نظر'' ۱۹۶۷ء میں منظر عام پر آئی۔ ''سب رس'' کا فنی ولسانی تناظر میں مطالعہ کیا گیا ہے۔ سب رس کی زبان کے مطالعے کے ساتھ مستند حوالوں اور شہادتوں سے دکنی ادب کے لسانی خصائص نمایاں کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اُردو کے اجنبی ضمائر، افعال، روزمرہ، محاورات اور سنسکرت کے الفاظ کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ آخر میں دکنی الفاظ کی فرہنگ بھی دی گئی ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی ''اُردو کی منظوم داستانیں'' ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ اس میں عالمی ادب میں منظوم داستانوں کی روایت، اُردو میں منظوم داستانوں کے آغاز، دکن اور دلی میں شخصی منظوم داستانیں (آپ بیتی) اور غیر شخصی منظوم داستانیں (عشقیہ داستانیں) اور منظوم داستانوں کے عروج و زوال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایم حبیب خاں کی مختصر اہم کتاب ''اُردو کی قدیم داستانیں'' ۱۹۷۴ء میں سامنے آئی۔ اس کتاب میں ''طلسم نارنج''، ''طلسم ہفت پیکر''، ''طلسم خیال سکندری''، ''رانی کیتکی کی کہانی''، ''باغ و بہار'' اور ''باغ عشق'' ایسی داستانوں کا مختصر تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ نہ صرف غیر معروف داستانوں کا تعارف کروایا گیا ہے بلکہ بینی نرائن جہاں کی داستان ''باغِ عشق'' بھی دریافت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بینی نرائن جہاں کی دیگر تین داستانوں ''بہارِ عشق''، ''گل صنوبر'' اور ''گلزارِ حسن'' کو دنیائے ادب میں روشناس کروایا گیا ہے۔ غزل اور داستان کی مماثلت ''منظر کشی'' کے تناظر میں داستانوں کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی کتاب ''سرور اور فسانہ عجائب'' ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں رجب علی بیگ سرور کی سوانح اور فسانہ عجائب میں لکھنوی تہذیب کے مرقع، فن، کردار نگاری اور اسلوب کی خصوصیات کو جامع انداز میں جائزہ پیش کیا ہے۔ ''افسانوی اُصول اور فسانہ عجائب'' کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب ڈاکٹر سید رفیق حسین کے قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب بھی ۱۹۷۵ء میں چھپی۔

ابتدائی ابواب میں افسانوی ادب کی مبادیات وشعریات کا مفصّل بیان ملتا ہے۔ داستان، ناول اور افسانہ کے امتیازات، سرور کی مختصر سوانح، افسانوی اُصولوں کے تناظر میں فسانہ عجائب کے تجزیے کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ متن کے ساتھ اُس کی شرح کا اہتمام بھی ہے۔ داستان کی طویل تمہید اور اشعار کی بہت بڑی تعداد کو کم کر کے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر منظر اعظمی کی کتاب ''سب رس کا تنقیدی جائزہ'' ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔ اس مختصر کتاب میں سب رس کا تمثیل نگاری کے تناظر میں مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی خوبی سب رس کے ماخذ ''بودھ چندرودے از کرشن مشر'' کے اُردو اور دیگر تراجم کی تفصیل کا اندراج اور بنوالیداس کے کمیاب فارسی ترجمے کا تعارف ہے۔

داستانوں کے انفرادی مطالعوں میں ستر کی دہائی کی آخری اہم کتاب ''طلسم ہوش ربا۔ ایک مطالعہ'' از ڈاکٹر راہی معصوم وفا ہے۔ اس ضخیم کتاب میں طلسم ہوش ربا کا ہندوستانی زندگی، تہذیبی، معاشرتی، سماجی اور اقداری حوالے سے تجزیہ کیا ہے۔ اس کتاب کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ تہذیب، مذاہب سے بلندتر ہوتی ہے۔ انھوں نے داستان کی تحریر کے وقت کا سراغ بھی لگایا ہے۔ تحقیقی وتنقیدی حوالے سے داستان کے عملی مطالعات میں یہ کتاب ایک قابلِ تقلید اضافہ ہے۔ ''اُردو داستان کا اقداری نظام کے تناظر میں مطالعہ'' یہ کتاب پہلا عملی نمونہ ہے۔ اس سے قبل کے مطالعات ادھورے مطالعات کہلائے جا سکتے ہیں۔ یہ کتاب داستان کا عمرانی تناظر نمایاں کرتی ہے۔

اسّی (۸۰) کی دہائی کے داستان کے اہم ناقدین میں ڈاکٹر سہیل احمد خاں، ڈاکٹر سہیل بخاری اور ڈاکٹر آغا سہیل شامل ہیں۔ ڈاکٹر نفیس جہاں بیگم نے ''میر امن۔ حیات و تالیفات'' پر ایک کتاب رقم کی جس میں ''باغ و بہار'' اور ''گنج خوبی'' کے مطالعات کے علاوہ میر امن کی پہلی مرتبہ باقاعدہ تحقیقی سوانح مرتب کی گئی ہے۔ ''داستان کی علامتی کائنات'' از سہیل احمد خاں، ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ اُنھوں نے داستان کو استعاراتی وعلامتی زاویے سے دیکھا ہے۔ ہیرو کی مختلف شکلوں اور خاص طور پر حاتم کے اسفار کی مختلف علامات کو واضح

کیا ہے۔ داستان میں تبدیلیٔ قالب کی وجودی سطحوں کے ساتھ پیچیدہ صورتوں اور طلسم کی علامتی کائنات کی گرہ کشائی، اُن کی داستان شناسی کو اعتبار بخشتی ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کی ''اُردو داستان'' بھی اِسی سال سامنے آئی۔ داستان کی اقسام، عالمی ادب میں داستان کی روایت پر تفصیل سے لکھا۔ اُردو داستان کی روایت کی ادوار بندی، پہلی بار سامنے آئی۔ اُنھوں نے پہلا دور ۱۸۰۰ء تک، دوسرا دور ۱۸۲۰ء تک(اس کے دو حصے: فورٹ ولیم کالج کی تصنیفات اور بیرون فورٹ ولیم کالج تصنیفات)، تیسرا دور ۱۸۵۷ء تک اور چوتھے دور میں؛ ۱۸۵۷ء کے بعد کی داستانیں شامل کی ہیں۔ رام پور کی داستانوں پر الگ سے لکھا گیا ہے۔ ادوار بندی کے بعد داستان نگاری کی مبادیات وشعریات اور داستانوں کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔ داستانوں کے الگ سے تہذیبی مطالعے کے لیے داستانوں میں ہندوستانی زندگی اور ہندی معاشرت کا ایک باب میں مجموعی جائزہ لیا ہے۔

آغا سہیل، سہیل بخاری کی مذکورہ کتاب سے متعلّق اپنی رائے یوں دیتے ہیں:

> ''راقم الحروف کے سامنے دبستانِ لکھنؤ کی معروف داستانیں اور ان کے تہذیبی مطالعے تھے جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ اصل داستان لکھنؤ ہی میں پیدا ہوئی، لکھنو ہی میں اس پر شباب آیا اور لکھنؤ ہی میں اس کا انتقال ہو گیا جبکہ سہیل بخاری کی یہ رائے ہے کہ داستان فورٹ ولیم کالج میں پیدا ہوئی لکھنؤ میں اس پر شباب آیا اور رام پور میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ہم دونوں کے موقف میں یہ واضح فرق اسی لیے پایا جاتا ہے کہ بخاری صاحب نے داستانوں کے مزاج، مذاق اور اسلوب کا کوئی تعین نہیں کیا اور حقیقی داستان کی شناخت میں کوئی مشروط تعارف نہیں کرایا جس کے سبب بسا اوقات داستان کو قصہ اور قصہ کو داستان لکھتے ہیں دونوں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتے۔''[۴]

ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنی مذکورہ کتاب میں داستانوں کے عروج و زوال اور دیگر اصناف سے تعلّق کو بھی واضح کیا ہے۔ ''کربل کتھا'' کو پہلی نثری تصنیف قرار دیتے ہیں۔ داستان

کے جاری نہ رہنے کا سبب، اس صنف میں طبع زاد داستانوں کی کمی کا رجحان سمجھتے ہیں۔ وہ داستانوں میں عصری آگہی تلاش کرتے ہیں۔ داستان کی تنقید پر بھی ایک باب بنایا ہے۔ ''نوطرزِ مرصع''، ''قصہ گل صنوبر'' کے اصل ماخذ کا سراغ لگایا ہے۔ سرور سلطانی کے لکھنؤ کے ایڈیشنز کے علاوہ اشاعتوں کا پتہ بھی دیا ہے۔ ان کے نزدیک بوستان خیال کی چھ جلدوں کی بجائے سات جلدوں کا ترجمہ خواجہ امان دہلوی نے کیا۔ اس کتاب کی تحقیقی حیثیت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے اُردو داستانوں کے حوالے سے بہت سی دریافتیں کی ہیں۔ سڑسٹھ (٦٧) قلمی نسخوں کو ماخذ بنایا ہے۔ داستانِ امیر حمزہ کے اصل ماخذ اور داستانِ امیر حمزہ از غالب لکھنوی کی دریافت خاصے کی چیز ہیں۔ ڈاکٹر آغا سہیل کی کتاب ''دبستانِ لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقا'' ١٩٨٨ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دبستانِ لکھنؤ کی خصوصیات، اہم اور غیر اہم داستانوں کا مطالعہ، نوطرزِ مرصع، فسانۂ عجائب اور فسانہ آزاد کا انفرادی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کی داستانوں میں طلسم کی کارفرمائی کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ سہیل بخاری نے کہا تھا کہ داستانِ کلکتہ میں پیدا ہوئی، لکھنؤ میں پروان چڑھی اور رام پور میں فوت ہوئی جیسا کہ آغا سہیل کے نزدیک داستان کی پیدائش، شباب اور انتقال لکھنؤ میں ہی ہوا۔ اُن کے خیال میں داستانوں کی پہلے سے موجود تنقیدی کتابوں میں قصے اور داستانوں کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ وہ لکھنوی داستانوں کو مقامی رنگ اور ہندوستانی تہذیب کا مکمّل آئینہ قرار دیتے ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی کی تحسین کی ہے۔ ''اُردو داستانوں میں ویلن کا کردار'' از ڈاکٹر شفیق احمد ١٩٨٨ء میں شائع ہوئی۔ اُنھوں نے ویلن کی تعریف، نفسیاتی تجزیہ اور داستانوں میں ویلن کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ افراسیاب، مہ جبیں کوکب برہمنی، خداوندلقا، تاریک ثقل کش، بختیارک ایسے کرداروں کا مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ ویلن صرف ہوس کا حامل نہیں ہوسکتا۔ ویلن کی مختلف اقسام (جنسی، اذیت پسندی، اذیت پرست، مفاد پرست) اور مختلف فطرتوں کے حامل فعال اور متحرک ویلن سامنے لائے گئے ہیں۔

اُردو اور دیگر زبانوں میں ویلن کے کرداروں کا تقابل بھی کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے اس کتاب میں ویلن کے کردار کی اہمیت، فعالیت اور تحرک کو نمایاں کیا ہے۔ آرزو چودھری کی کتاب ''داستان کی دستان'' ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ عالمی ادب میں خاص طور پر سنسکرت کی داستانوں اور اُردو داستان کی روایت پیش کی ہے۔ فارسی الاصل، سنسکرت الاصل اور طبع زاد داستانوں کی خصوصیات کو الگ الگ نمایاں کیا ہے۔ داستان کے فن اور اجزائے ترکیبی کے تناظر میں بھی مطالعے سامنے آئے ہیں۔ اسّی (۸۰) کی دہائی میں دو داستانوں ؛''عجائب القصص'' اور ''بوستانِ خیال'' پر الگ سے بھی کتابیں شائع ہوئیں۔ ارتضٰی کریم کی کتاب ''عجائب القصص۔ تنقیدی مطالعہ'' ۱۹۸۸ء میں منظرِ عام پر آئی۔ شاہ عالم ثانی کی سوانح، دہلوی نثر کی خصوصیات، عجائب القصص کے قلمی نسخے کا تعارف، عجائب القصص کا تہذیبی، معاشرتی و فنی مطالعہ اور اسلوب کا مطالعہ تنقیدی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے میر امن کی نثر پر عجائب القصص کی نثر کے اثرات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے حوالے سے تنویر احمد علوی لکھتے ہیں:

> ''اس میں بعض مباحث خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ ان میں یہ بحث بھی ہے کہ کربل کتھا کا مصنّف کیا واقعتاً دہلی سے واسطہ رکھتا ہے؟ اس کی زبان پر جو دکنی اثرات ہیں۔ ان کی توجیہہ تاریخی شواہد کی روشنی میں کیسے کی جا سکتی ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ یہ بحث بھی اہمیت رکھتی ہے کہ عجائب القصص ایک نثر پارے کی اعتبار سے کیا کلیتاً شاہ عالم ثانی کی املا کی ہوئی تحریر ہے یا اس میں ان منشیوں کی طرف سے بھی کچھ ردّ و بدل یا قطع و برید ہونے کا اِمکان ہے جن کا قلم اس قصے کی ترتیب میں شاہ عالم کی زبان کا معاون رہا ہے۔'' [۵]

''ہندوستانی تہذیب بوستانِ خیال کے تناظر میں'' از ابنِ کنول بھی ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ اُنھوں نے بوستانِ خیال کے سیاسی منظر، تہذیبی اقدار (شکوہ سلطنت، معاشرتی حالات، اعتقادات، رسم و رواج) اور فنونِ لطیفہ کے تناظر میں مفصّل، جامع اور وقیع مطالعہ

کیا ہے۔ راہی معصوم وفا کے طلسم ہوش ربا کے تہذیبی مطالعے کے بعد بوستانِ خیال کا مذکورہ مطالعہ ایک خاصے کی چیز ہے۔

نوّے (۹۰) کی دہائی بھی داستان کی تنقید کے وقیع ذخیرے کی حامل ہے۔ اس دہے کی پہلی اہم کتاب ''اُردو داستان: تحقیق وتنقید از ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی ہے۔ یہ ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب عالمی داستان کی روایت، داستان کا فن، اُردو کی منظوم داستانیں، اُردو کی منثور داستانیں (سب رس، باغ و بہار، فسانہ عجائب، داستانِ امیر حمزہ، بوستانِ خیال) کے خصوصی مطالعے پر مبنی ہے۔ داستان کی اہمیت کے ساتھ افسانوی ادب پر داستانوں کے اثرات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ حنیف نقوی کی مختصر کتاب ''رجب علی بیگ سرور: چند تحقیقی مباحث'' بھی ۱۹۹۱ء میں سامنے آئی۔ اس کتاب میں ڈاکٹر نیّر مسعود، ڈاکٹر فیروز احمد اور ڈاکٹر محمود الٰہی کے سرور سے متعلّق خیالات سے اختلاف کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مدلل شواہد پر مبنی ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی نثری داستانوں کے حوالے سے ایک اہم کتاب ڈاکٹر عفت زریں نے تحریر کی ہے۔ اُنھوں نے ان داستانوں کا تہذیبی حوالے سے جائزہ لیا ہے۔ آرائش محفل، باغ و بہار، بیتال پچیسی اور گل بکاؤلی کے تہذیبی مطالعے کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش کی ''داستانیں اور مزاح'' ۱۹۹۳ء میں سامنے آئی۔ اس کتاب میں ۱۹۵۵ء تک کی داستانوں اور حکایتوں میں مزاح کے عناصر کا عملی جائزہ لیا گیا ہے۔ منظوم قصوں میں بھی مزاح کی تلاش کی گئی ہے۔ انھوں نے داستانوں کے افسانوی ادب کے اثرات بھی قلم بند کیے ہیں۔ ڈاکٹر صغیر افراہیم کی کتاب ''نثری داستانوں کا سفر'' ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے عنوان سے ایک مضمون داستان کی روایت سے متعلّق ہے باقی مضامین دیگر اصناف سے تعلّق رکھتے ہیں۔ اسلم عزیز درانی نے ''مقدمات باغ و بہار'' میں اُردو کے اہم محققین اور ناقدین کے باغ و بہار کے مرتبہ ایڈیشنوں کے مقدموں کا انتخاب کیا ہے۔ شاہ عالم ثانی پر ڈاکٹر قادر جبیں کی کتاب ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ اس دہے کی اہم کتاب شمس الرحمٰن فاروقی کی ''داستانِ امیر حمزہ: زبانی بیانیہ، بیان کنندہ اور سامعین'' ہے جو ۱۹۹۸ء

میں شائع ہوئی۔ مزید اضافوں کے ساتھ یہ کتاب بہ عنوان ''ساحری، شاہی، صاحب قرانی'' ۱۹۹۹ء میں منظرِعام پر آئی۔ یہ کتاب داستانِ امیر حمزہ کے مطالعے پر مبنی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی، داستانِ امیر حمزہ کے مطالعے کے لیے چار باتیں ذہن نشین کرواتے ہیں:

''ایک تو یہ کہ یہ بیانیہ کی صنف ہے۔۔۔دوسری بات یہ کہ داستانِ امیر حمزہ تمام نثری یا منظوم داستانوں کی طرح زبانی بیانیہ ہے۔۔۔تیسری بات یہ کہ داستانِ امیر حمزہ میں بعض صفات اور بعض خواص ایسے ہیں جو دنیا کے اور بیانیوں میں نہیں ملتے لہٰذا داستانِ امیر حمزہ کا مطالعہ داستانی مطالعات میں بھی ایک الگ علومیہ قرار دیے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک بات اور بھی ہے جس کا تعلّق ہماری ادبی تاریخ ہماری فہرست استناد یعنی Canon کی تشکیل اور اپنی ادبی روایت کے بارے میں ہمارے رویے سے ہے۔ داستانِ امیر حمزہ اور اس کے تحت آنے والی تمام داستانیں اور اس کی طرح کی تمام داستانیں ہماری فہرست استناد سے باہر رہی ہیں کیوں کہ جس زمانے میں ہمارے فہرست استناد Canon کی تشکیل ہو رہی تھی اس زمانے میں ہمارے یہاں ناول کا بول بالا ہو رہا تھا۔۔۔نصابی کتابوں کی حد تک لفظ داستان سے ہم لوگ ''باغ و بہار'' اور ''فسانہ عجائب'' مراد لیتے ہیں۔ یہ مشکوک ہے کہ دونوں متون داستان کی تعریف پر پورے اترتے ہیں۔ اس لیے چوتھی بات یہ کہ داستانِ امیر حمزہ کے مطالعے کے لیے ''باغ و بہار'' اور ''فسانہ عجائب'' کو Paradigm یعنی نمونہ مثال نہ قرار دینا چاہیے۔''[۶]

اس کتاب کی جلد اوّل نظری مباحث پر محیط ہے۔ اُنھوں نے داستان کے نظری مباحث پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اُن کی بحث گیان چند، سہیل بخاری کے بعد شعریات داستان کو مرتب کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔ وہ داستان کو ایسا زبانی بیانیہ کہتے ہیں جو وقوعوں کا مجموعہ ہے اور ہر وقوعہ واقعات کے مربوط و محدود سلسلے کا حامل ہوتا ہے اور یہاں بہت سے مناظر، وقوعے کی تشکیل میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ اُن کے نزدیک داستان،

کردار کے ذہنی وقوعوں یا داخلی واردات کا بیانیہ نہیں ہے۔ یہ غیر نمائندگی پذیر ہوتی ہے۔ کسی مقصد کے تحت وجود میں نہیں آتی۔ تہذیب و معاشرت یا ثقافت کا بیان کسی مقصد کے تحت نہیں ہوتا۔ کردار نمائندگی پذیر ہوتے ہیں۔ طبقے کے مطابق لہجہ اور محاورہ اختیار کرتے ہیں۔ واقعہ براہِ راست ہوتا ہے اور کردار کی اہمیت نہیں ہوتی۔ مستقبل کی باتیں پہلے ہی آشکار کر دی جاتی ہیں اور انسان فاعل کی بجائے کارکنندہ کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ داستان میں کردار یک زمانی ہوتے ہیں۔ داستان میں تکرار اہم ہے، اس صنف میں یہ عیب نہیں۔ بعض اوقات واقعات، حالات اور مناظر ایک سے ہوتے ہیں جسے تکرار سمجھ لیا جاتا ہے۔ مبالغہ اور طلسم بھی داستان کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ اُن کے نزدیک دنیا کی تمام تہذیبیں اپنے ادبی ورثے کو اجاگر کرنے، اور زندہ و بامعنی بنانے میں مصروف ہیں۔ ہمارے ہاں یہ کام انگریزوں کے تسلّط نے اپنے ادبی ورثے کی قدر و قیمت کی آگہی سے محروم کر دیا ہے۔ وہ داستان میں بیانیہ کی کارفرمایاں، داستان گو کی ماضی، حال اور مستقبل کو قائم کرنے کے طریقے، مکالمے کے مختلف انداز، ایک وقت میں کتنے کرداروں کا منظر میں رکھا جا سکتا ہے اور داستان میں کہانی پن کی حیثیت اور اہمیت کے سوالات بھی اٹھاتے ہیں۔ داستان میں واقعات کے انجام کی پہلے سے ہی خبر ہونے کے باوجود تجسّس کی معنویت کا سوال بھی اجاگر کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک باغ و بہار اور فسانہ عجائب صحیح معنوں میں داستانیں نہیں البتہ انھیں داستان کے طور پر پڑھایا گیا۔ اس کے برعکس داستانِ امیر حمزہ میں جس اخلاقی نظام کے ساتھ تصور کائنات موجود تھا کو اہمیت نہ دی گئی۔ مذکورہ ادبی داستانوں سے چونکہ انگریزوں کی رائج کردہ نئے زمانے کی اخلاقیات سے کوئی خطرہ نہ تھا، لہٰذا انھیں رواج دیا گیا۔ وہ داستانوں کے زوال کا عموماً بیان کردہ سبب ناول کی مقبولیت اور طوالت کو قرار نہیں دیتے۔ انگریزوں کی داستان امیر حمزہ کو اہمیت نہ دینے کی وجوہات بیان کرتے ہیں کہ داستانِ امیر حمزہ میں ہند مسلم تصوّرِ کائنات غیر معمولی تحرک کے ساتھ جاری تھا جو کہ انگریزوں کی جدید پالیسی سے لگا نہیں کھاتا تھا۔ اس کے علاوہ جدید پالیسی کے مطابق

ہندوستانیوں کی تہذیبی میراث خاص طور پر ہندمسلم میراث پر سوالیہ نشان لگایا گیا اور ہندوستانیوں کو یقین دلایا گیا کہ وہ اپنی تہذیب سمجھنے کے لیے مغربی عینک استعمال کریں۔ ''اُردو کی زندہ داستانیں'' کے عنوان سے ایک مختصر کتاب ڈاکٹر مظفرؔ عباس کی ہے جو ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ اکیسویں صدی میں سب سے پہلے منظرِ عام پر آنے والی کتاب داستان سے ناول تک از ابنِ کنول ہے جس میں داستان کو عوامی صنف قرار دیا گیا ہے۔اس کتاب میں اُردو داستانوں میں ہندوستانی تہذیب کی شناخت، بوستانِ خیال کے لسانی تناظر اور فنِ داستان پر بحث کی گئی ہے۔جن داستانوں کا خصوصی مطالعہ کیا گیا ہے اُن میں؛ ''سب رس''، ''قصہ مہرافروز دلبر''، ''نوطرزِ مرصع''، ''عجائب القصص''، ''باغ و بہار''، ''مذہبِ عشق''، ''فسانہ عجائب'' اور ''بوستانِ خیال'' شامل ہیں۔مضامین کی ترتیب، داستانوں کی تاریخی ترتیب پر رکھی گئی ہے۔اِن داستانوں میں تہذیبی تاریخ کے ساتھ زبان کا ارتقائی مطالعہ بھی کیا ہے۔ اکیسویں صدی میں داستانوں کی فرہنگوں کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔اس سلسلے میں اب تک ''بوستانِ خیال''، ''باغ و بہار'' اور ''فسانہ عجائب'' کی فرہنگیں شائع ہوچکی ہیں۔باغ و بہار کے لسانی مطالعے کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ کی تحقیق بھی آپ اپنا اعتراف ہے۔ داستان نویسی: اہمیت اور افادیت از ڈاکٹر شمسہ عارف ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔اس میں داستان کے ادبی، لسانی، افسانوی اور افادی پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔فارسی میں داستان گوئی کی روایت کو بھی خاصی اہمیت دی ہے۔اطہر پرویز کی کتاب ''داستان کا فن'' ۲۰۱۰ء میں منظرِ عام پر آئی۔داستان کے آغاز کے اسباب، داستان کی روایت، داستان کے تشکیلی عناصر، مافوق الفطرت عناصر، کردار نگاری، تہذیبی عناصر، جزئیات نگاری، اسالیب بیان اور اقدارِ انسانی کے تصورات ایسے موضوعات کو سمیٹا گیا ہے۔۲۰۱۱ء میں داستان پر مختلف مضامین کے مجموعوں پر مبنی دو مرتبہ کتب سامنے آئیں۔ ''داستان اور ادب کی روایت'' از پروفیسر محی الدین اور ''داستان گوئی'' مرتب از محمود فاروقی، محمد کاظم شامل ہیں۔مؤخر الذکر کتاب میں داستان گوئی کے فن پر گفتگو کی گئی ہے اس کے علاوہ اس میں داستانِ امیر حمزہ کا ملخّص بھی پیش کیا گیا ہے۔

''اُردو داستانوں کے منفی کردار'' شہناز کوثر کی تصنیف ہے جو ۲۰۱۲ء میں سامنے آئی۔ اس کتاب میں ۱۸۱۰ء تک کی داستانوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عالمی ادب میں داستانوں کے منفی کرداروں کا بھی مفصّل جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اُن کے نزدیک داستانیں زندگی سے فرار، دفترِ بے معنی اور بے عمل سوسائٹی کی پیداوار ہرگز نہیں۔ منفی کرداروں کی مختلف صورتیں اور منفی کرداروں کے نفسی تجزیے بھی سامنے آتے ہیں۔ اُردو داستان کی تنقید میں ڈاکٹر سعید احمد کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں ''داستانیں اور حیوانات'' اور ''داستانیں اور خیر و شر'' محققین و ناقدین سے دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ''داستانیں اور حیوانات'' میں حیوانات کی علامتی حیثیت کے طلسم کو کھولا گیا ہے۔ عالمی ادب میں داستانوں میں حیوانات کی علامتی کائنات کو بھی آشکار کیا گیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی داستانوں والا باب خاصے کی چیز ہے۔ ان کی دوسری کتاب ''داستانیں اور تصوّرِ خیر و شر'' میں اُردو داستانوں میں خیر و شر کے معرکے میں خیر کی فتح کے اعلان کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ فورٹ ولیم کالج کی داستانوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''یوں تو اُردو کی ہر داستان خیر و شر کا معرکہ پیش کرتی ہے لیکن فورٹ ولیم کالج کی داستانیں اُردو ادب کا سرمایہ افتخار ہیں۔ فورٹ ولم کالج کا قیام اگرچہ حکومتِ برطانیہ کی سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر عمل میں آیا لیکن اس کالج کے قیام سے اردو ادب کو بے پناہ فائدہ پہنچا۔ انگریزوں کا یہ سیاسی شر اردو ادب کے لیے بہت بڑے خیر کا منبع ثابت ہوا۔'' [۷]

''داستانیں اور تصور خیر و شر'' میں فورٹ ولیم کالج کی داستانوں خصوصاً ''توتا کہانی''، ''آرائشِ محفل''، ''باغ و بہار''، ''بیتال پچیسی'' اور ''مذہبِ عشق'' میں اقداری کشمکش کا جائزہ لیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ کلیم الدین احمد، اردو زبان اور فنِ داستان گوئی، پٹنہ: دائرہ ادب، ۱۹۴۲ء، ص ۲۹۔۳۰

۲۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، اردو داستان، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۔۱۱

۳۔ سید وقار عظیم، ہماری داستانیں، لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۵۶ء، ص ۶

۴۔ ڈاکٹر آغا سہیل، دبستانِ لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقا، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۶۔۷

۵۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی، (دیباچہ) عجائب القصص۔ تنقیدی مطالعہ از ڈاکٹر ارتضٰی کریم، دہلی: زلالہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص ۵

۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی، داستان امیر حمزہ: زبانی بیانیہ، بیان کنندہ اور سامعین، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۵۔۱۶

۷۔ سعید احمد، داستانیں اور تصور خیر و شر، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۶ء، ص ۱۵۱

داستان پر لکھی جانے والی تنقیدی کتب کی فہرست

ذیل میں داستان پر تنقیدی کتب زمانی ترتیب سے پیش خدمت ہیں:

۱۔ اُردو زبان اور فنِ داستان گوئی، کلیم الدین احمد، دائرہ ادب، پٹنہ، ۱۹۴۲ء

۲۔ اُردو کی نثری داستانیں، گیان چند، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۵۴ء

۳۔ ہماری داستانیں، سید وقار عظیم، ادارہ فروغ اُردو، لاہور، ۱۹۵۶ء

۴۔ داستان سے افسانے تک، سید وقار عظیم، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۰ء

۵۔ فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ، سید ضمیر حسن، انجمن ترقی اُردو، دہلی، ۱۹۶۳ء

۶۔ رجب علی بیگ سرور، حیات اور کارنامے، نیر مسعود، شعبہ اُردو، الہ آباد یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء

۷۔ سب رس پر ایک نظر، ڈاکٹر سہیل بخاری، آزاد بک ڈپو، لاہور، ۱۹۶۷ء

۸۔ دلی والے میر امن کی باغ و بہار، ڈاکٹر سلیم اختر، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۸ء

۹۔ باغ و بہار پر ایک نظر، ڈاکٹر سہیل بخاری، آزاد بک ڈپو، لاہور، ۱۹۶۸ء

۱۰۔ اُردو کی منظوم داستانیں، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۷۱ء

۱۱۔ باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ، امام مرتضیٰ نقوی، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۷۲ء

۱۲۔ باغ و بہار کا تنقیدی اور کرداری مطالعہ، زہرا معین، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۳ء

۱۳۔ اُردو کی قدیم داستانیں، ایم حبیب خاں، انڈین بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۶ء

۱۴۔ سرور اور فسانہ عجائب، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۵ء

۱۵۔ افسانوی اُصول اور فسانہ عجائب، ڈاکٹر سید رفیق حسین، رائے صاحب لالہ رام، الہ آباد، ۱۹۷۵ء

۱۶۔ سب رس کا تنقیدی جائزہ، منظر اعظمی، انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۷۶ء
۱۷۔ طلسم ہوش ربا۔ایک مطالعہ، راہی معصوم رضا، خیابان پبلی کیشنز، بمبئی، ۱۹۷۹ء
۱۸۔ باغ و بہار۔ایک تجزیہ، ڈاکٹر وحید قریشی، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء
۱۹۔ اُردو داستان کی نشو و نما، سید رفیق حسین، لالہ رام دیال پبلشر، الٰہ آباد، ۱۹۸۲ء
۲۰۔ باغ و بہار اور فسانہ عجائب کا تنقیدی تجزیہ، اشفاق احمد اعظمی، اسلامی کتاب گھر، اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء
۲۱۔ میر امن۔حیات و تالیفات، نفیس جہاں بیگم، مرکری پرنٹر، دہلی، ۱۹۸۶ء
۲۲۔ داستان در داستان۔مرتب ڈاکٹر سہیل احمد خاں، کلیہ علوم اسلام و شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۷ء
۲۳۔ داستان کی علامتی کائنات، ڈاکٹر سہیل احمد خاں، کلیہ علوم و شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۷ء
۲۴۔ اُردو داستان، سہیل بخاری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء
۲۵۔ عجائب القصص۔تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، زلالہ پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۸۷ء
۲۶۔ دبستانِ لکھنؤ کے داستانی ادب کا ارتقاء، ڈاکٹر آغا سہیل، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء
۲۷۔ اُردو داستانوں میں ویلن کا تصور، ڈاکٹر شفیق احمد شفق، ہیما آفسٹ پریس، فیض آباد، ۱۹۸۸ء
۲۸۔ ہندوستانی تہذیب: بوستانِ خیال کے تناظر میں، ابنِ کنول، ہیما آفسٹ پریس، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء
۲۹۔ داستان کی داستان، ڈاکٹر آرزو چودھری، عظیم اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء
۳۰۔ اُردو داستان: تحقیق و تنقید، قمر الہدیٰ فریدی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۱ء۔
۳۱۔ رجب علی بیگ سرور۔چند تحقیقی مباحث، حنیف نقوی، انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء
۳۲۔ داستان اور ناول، ڈاکٹر سلیم اختر، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء
۳۳۔ فورٹ ولیم کالج کی نثری داستانیں، ڈاکٹر عفت زریں، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء
۳۴۔ داستانیں اور مزاح، ایم سلطانہ بخش، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۳ء
۳۵۔ میر امن: ہمارے نامور ادیب اور شاعر، اسلم فرخی، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۳ء
۳۶۔ نثری داستانوں کا سفر، صغیر افراہیم، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۵ء

۳۷۔ مقدمات باغ و بہار، مرتب اسلم عزیز درانی، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۹۵ء
۳۸۔ فسانہ آزاد اور باغ و بہار کا تنقیدی مطالعہ، ساحل احمد، اُردو رائٹرز گلڈ الٰہ آباد، ۱۹۹۷ء
۳۹۔ شاہ عالم ثانی، خاور جمیل، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۷ء
۴۰۔ داستانِ امیر حمزہ: زبانی بیانیہ، بیان کنندہ اور سامعین، شمس الرحمٰن فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء
۴۱۔ ساحری، شاہی، صاحب قرآنی، شمس الرحمٰن فاروقی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء
۴۲۔ اُردو کی زندہ داستانیں، ڈاکٹر مظفّر عباس، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء
۴۳۔ داستان، ناول، افسانہ، دردانہ قاسمی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۹ء
۴۴۔ داستان سے ناول تک، ابنِ کنول، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء
۴۵۔ فرہنگ بوستانِ خیال، ڈاکٹر اکبر حسین قریشی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء
۴۶۔ باغ و بہار کا لسانی تجزیہ، ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۶ء
۴۷۔ داستان نویسی، اہمیت اور افادیت، شمسہ عارف، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء
۴۸۔ داستان کا فن، اطہر پرویز، اُردو گھر، علی گڑھ، ۲۰۱۰ء
۴۹۔ داستان اور اُردو ادب کی روایت، مرتب محی الدین بمبئی والا، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء
۵۰۔ داستان گوئی، مرتب محمود فاروقی، محمد کاظم، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۱ء
۵۱۔ اُردو داستان کے منفی کردار، شہناز کوثر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۲ء
۵۲۔ داستانیں اور حیوانات، ڈاکٹر سعید احمد، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء
۵۳۔ میر باقر علی داستان گو، عقیل عباس جعفری، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۲۰۱۴ء
۵۴۔ فرہنگ باغ و بہار، ساجدہ قریشی، ونڈرس بیورو، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۵۵۔ داستانیں اور تصورِ خیر و شر، ڈاکٹر سعید احمد، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۶ء
۵۶۔ عورت زیب داستاں (اردو کی نثری داستانوں میں عورت کا کردار)، امرینہ بابر، لاہور، ۲۰۱۷ء
۵۷۔ فرہنگ فسانہ عجائب، شریف احمد قریشی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء

ناول: تشکیلات اور انتقاد

ناول، لاطینی زبان کے لفظ ''نورس'' سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب نیا، انوکھا، عجیب اور نمایاں ہے۔ ناول، صنفِ نثر ہے۔ اٹھارویں صدی میں یہ صنف ادب، انگلستان میں پروان چڑھی۔ ناول وہ نثری کہانی ہے جس میں کسی خاص نقطۂ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی ترجمانی کی جاتی ہے۔ ناول کا مرکزی کردار، ہیرو، زندگی کے حقائق اور کائنات کی حقیقتوں کے مطالعہ کا وسیلہ بنتا ہے۔ ناول میں واقعات کا منطقی تسلسل، حقیقت بیانی، صداقت بیانی کے ساتھ تخیّل کی رنگ آمیزی بھی کی جاتی ہے۔

موضوع کے اعتبار سے ناول کی بڑی اقسام (i) رومانی (ii) نفسیاتی (iii) معاشرتی (iv) تاریخی ناول ہیں۔ ناول کا موضوع زندگی ہے اور زندگی کو دیکھنے کا نقطۂ نظر ہر فن کار کا اپنا ہوتا ہے۔ اسی لیے ناول میں ناول نگار کا نقطۂ نظر بھی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو ناول ایسا نثری قصہ ہے جس میں کسی خاص نقطۂ نظر سے زندگی کی واقعیت کی عکاسی کی جاتی ہے۔

ناول کے بنیادی عناصر پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری اور اسلوب ہیں۔ پلاٹ، ناول کا بنیادی جزو ہے۔ پلاٹ سے مراد واقعات کی حسنِ ترتیب ہے۔ آغاز، وسط اور انجام کے اجزا سے واقعات کی منطقی ترتیب وقوع پذیر ہوتی ہے۔ کردار یا اشخاص قصہ، کہانی کی ہر

ہیئت کا اہم اور مرکزی جزو ہے۔ ناول میں قاری کی تمام دلچسپی کرداروں سے ہوتی ہے۔ ناول میں کردار نگاری کی معراج، ناول کے کرداروں میں ماحول اور طبائع کے اختلاف سے فطری ارتقا ہے تا کہ وہ جیتی جاگتی زندگی کا نمونہ پیش کر سکیں۔ ناول میں مکالمہ نگاری، واقعات کو آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔ گذشتہ واقعات سے آگہی اور مستقبل کے اشاروں کے لیے بھی مکالمے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ مکالموں کا مختصر، چست، برجستہ اور کرداروں کی ذہنی حیثیت، عمر، نسل اور پیشے کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ ناول میں زمان و مکاں کا خیال رکھنا بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ناول کے واقعات، جس وقت اور زمانے کے ہوں، اُس زمانے اور وقت کا علم، ناول نگار کے لیے ضروری امر ہے کیوں کہ زمانے اور جگہ کی تبدیلی کے ساتھ حالات میں بھی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ ناول کا ماجرا جس عہد کو محیط ہو اس عہد کے تہذیب و تمدن، روایات، رزم بزم اور میلوں ٹھیلوں کا ترجمان ہوتا ہے۔ بعض ناقدین نے منظر نگاری کو بھی ناول کا جزو قرار دیا ہے۔ ناول کے واقعات کو مؤثر اور جذباتی پس منظر فراہم کرنے کے لیے مناظر فطرت کی تصویر کشی اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے کردار کی داخلی کیفیات کو خارجی سطح پر دکھانا بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ ناول میں زبان و بیان اور اسلوب کی چاشنی بھی قصے کے حسن کو چار چاند لگاتی ہے۔ زبان کی شستگی، روانی، حسن آفرینی، محاورے، ضرب الامثال اور تشبیہات و استعارات اس میں رنگ بھرتے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کو اُردو کا پہلا ناول نگار کہا جاتا ہے، اُنھوں نے پہلا ناول ''مراۃ العروس'' لکھا۔ اُن کے زیادہ تر ناولوں کا مرکز و محور تعلیم و تربیت اور معاشرتی اصلاح رہا۔ اُن کے اہم ناول ''بنات النعش''، ''توبۃ النصوح''، ''ابن الوقت'' اور ''فسانہ مبتلا'' ہیں۔ رتن ناتھ سرشار کے ناول تہذیبی و معاشرتی موضوعات کے حامل ہیں۔ اُن کے اہم ناول ''فسانہ آزاد''، ''سیرِ کُہسار'' اور ''جام سرشار'' ہیں۔ عبدالحلیم شرر نے تاریخی و معاشرتی ناول لکھے۔ ''فردوسِ بریں''، ''ملک العزیز ورجینیا''، ''حسن انجیلینا''، ''منصور موہنا''، ''آغا صادق کی شادی'' اور ''بدر النسا کی مصیبت'' ان کے اہم ناول ہیں۔ محمد علی طبیب نے شرر کی تقلید میں

ناول لکھے۔ راشد الخیری کے ناول اصلاحی ہیں۔ ''حیاتِ صالحہ''، ''بنتِ الوقت''، ''نانی عشو''، ''صبحِ زندگی''، ''شام زندگی''، ''شب زندگی'' اور ''صبح زندگی'' اہم ناول ہیں۔ منشی سجاد حسین کے ناول ظرافت کا پہلو لیے ہوتے ہیں۔ ''حاجی بغلول''، ''طرح دار لونڈی''، ''میٹھی چھری'' ان کے اہم ناول ہیں۔ مرزا ہادی رسوا نے اُردو ناول میں نفسیاتی شعور کو شامل کیا ہے۔ ''امراؤ جان ادا''، ''افشائے راز''، ''ذات شریف'' اور ''شریف زادہ'' ان کے اہم ناول ہیں۔ ''شہاب کی سرگزشت'' اور ''ایک شاعر کا انجام'' نیاز فتح پوری کی رومانی تخلیقات ہیں۔ پریم چند کے ناولوں میں حقیقت پسندی اور مثالیت پسندی کا رجحان غالب ہے۔ ''میدانِ عمل''، ''گئودان'' اُن کے عمدہ ناول ہیں۔ علی عباس حسینی کے ہاں نفسیاتی رجحان اہمیت کا حامل ہے۔ ''شاید کہ بہار آئی''، ''سر سید احمد پاشا یا قاف کی پری'' اہم ناول ہیں۔ ظرافت کے رنگ میں لکھنے والوں میں مرزا عظیم بیگ چغتائی اور شوکت تھانوی اہم ہیں۔ آزادی کے بعد اُردو میں تہذیبی رجحان کے حامل ناولوں میں ''شام اودھ'' از احسن فاروقی، ''ایسی بلندی ایسی پستی'' از عزیز احمد، ''گردشِ رنگِ چمن''، ''چاندنی بیگم'' از قرۃ العین حیدر، ''کئی چاند تھے سرآسماں'' از شمس الرحمٰن فاروقی اور ''بہاؤ'' از مستنصر حسین تارڑ اہم ہیں۔ آدرشی رجحان کے ناولوں میں ''آخرشب کے ہم سفر'' از قرۃ العین حیدر، ''نگری نگری پھرا مسافر'' از الطاف فاطمہ۔ نفسیاتی رجحان کے ناولوں میں ''جنم روپ'' از انور سجاد، ''ٹیڑھی لکیر'' از عصمت چغتائی، ''گرگ شب'' از اکرام اللہ، ''علی پور کا ایلی'' از ممتاز مفتی، سیاسی و تاریخی رجحان ''لہو کے پھول'' از حیات اللہ انصاری''، ''اللہ میگھ دے'' از طارق محمود، ''سحر ہونے تک'' از فضل کریم فضلی، ''راکھ''، ''قلعہ جنگی'' از مستنصر حسین تارڑ، ناسٹلجیائی رجحان کے حامل ناولوں میں؛ ''تذکرہ'' از انتظار حسین، ''کاغذی گھاٹ'' از خالدہ حسین، فنٹیسیائی رجحان ''بیس سو گیارہ'' از محمد خالد اختر، ''پاگل خانہ'' از حجاب امتیاز علی اور حقیقت پسندانہ رجحان ''گوندنی والا تکیہ'' از غلام عباس، '''اداس نسلیں''، ''باگھ'' از عبداللہ حسین، ''آبلہ پا'' از رضیہ فصیح احمد، ''محاصرہ''، ''قید'' از عبداللہ حسین، ''محاصرہ''، ''کیمپ'' از انیس ناگی، ''خس و خاشاک زمانے'' از مستنصر حسین

تارڑ''العاصفہ'' ازحسن منظر، ''غلام باغ'' از مرزا اطہر بیگ اور ''مٹی آدم کھاتی ہے'' از محمد حمید شاہد اہم ہیں۔

اُردو ناول کی تنقید کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ناول کی تنقید پر بیسویں اور اکیسویں صدی بسیط اور وقیع سرمایہ کی حامل ہے اور کسی صنف پر اتنی تنقیدی کتب نظر نہیں آتی۔ ناول کی تنقیدی روایت میں اہم رجحانات کے جائزے کے لیے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ مجموعی یا تناظراتی مطالعے پر مبنی کتب

۲۔ انفرادی مطالعہ پر مبنی کتب

اوّل الذکر زمرے پر توجہ دی جائے تو اس حوالے سے جو کتاب سب سے پہلے منظرِ عام پر آئی وہ علی عباس حسینی کی ''اُردو ناول کی تاریخ وتنقید'' ہے جو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔ اُنھوں نے عالمی ادب میں قصے کے فروغ، ناول کے فن، اجزائے ترکیبی اور اقسام کا اختصاصی مطالعہ پیش کیا ہے۔ انگریزی ناول کی روایت اور اُردو میں قصوں کی ابتدا کے بیان کے بعد نذیر احمد کے ناول کی کردار نگاری، حالی کی مجالس النساء، اور شاد عظیم آبادی کی صورۃ الخیال، رتن ناتھ سرشار کی کردار نگاری، شرر اور محمد علی طبیب کے تاریخی ومعاشرتی ناول، سجاد حسین کی ظرافت، رسوا کے امراؤ جان، پریم چند کی کردار نگاری اور محمد علی طبیب کے تاریخی ومعاشرتی ناول، سجاد حسین کی ظرافت، رسوا کے امراؤ جان، پریم چند کے ناولوں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ رومانوی اور ترقی پسند ناول نگاروں کا الگ سے محاکمہ کیا گیا ہے جس میں فن اور پروپیگنڈہ کے فرق کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اُن کے نزدیک نذیر احمد کے ناول تبلیغی ہیں۔ وہ شرر کو اہمیت نہیں دیتے، سرشار کو سراہتے ہیں۔ انھیں پریم چند کے ناولوں میں ابدی کردار نظر نہیں آتے۔ محمد علی طبیب کے ناولوں میں تاریخی اغلاط کی نشان دہی کی ہے۔ کرداری ناولوں کو نفسیاتی، اخلاقی، تاریخی، اسراری اور رزمی ناولوں کو رومانی ناولوں کی اقسام قرار دیتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۴۴ء تک، اردو ناول کی روایت کا مکمّل، مفصّل اور منظّم محاکمہ ہے۔

''ناول کیا ہے؟'' احسن فاروقی اور نورالحسن ہاشمی کی مشترکہ تصنیف ہے جو ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا بیشتر حصہ ناول کے فن اور تکنیک کو محیط ہے۔ اس میں قصے کی تشکیل کی روایت، نئے تجربات اور ناول کے نئے امکانات پر بحث کی گئی ہے۔ وہ اُردو ناول پر تنقید کے لیے انگریزی ناول نگاری کو بنیاد بنانا درست نہیں سمجھتے۔ ناول کو تفصیل، وضاحت اور صراحت کا فن کہتے ہیں۔ ناول میں فلسفہ زندگی، نفسیاتی تجزیے اور ڈراما کے عناصر پر زور دیتے ہیں۔ آل احمد سرور اس کتاب کی افادیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''سمرسٹ ماہم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ناول پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں زیادہ لکھنے والوں نے اپنے نقطہ نظر پر زیادہ زور دیا ہے۔ مثلاً فارسٹر کے نزدیک ناول لکھنے کا طریقہ فارسٹر کی تقلید کرنا ہے۔ اس کتاب میں بجائے ناول کے کسی اسکول کی حمایت کرنے کے ناول لکھنے کے مختلف اسلوب اور مختلف دبستان بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب میں مصنّفین نے انگریزی کی ان تمام کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن کا مطالعہ اس سلسلہ میں ضروری ہے اس وجہ سے اس کی افادیت مسلم ہے۔'' [۱]

ناول کے فن پر یہ پہلی با قاعدہ تصنیف ہے۔ مکالمے کی زبان کو ادبی یا غیر ادبی کی بجائے درمیانی ہونے اور ناول کو حقیقت بیانیے میں نہ کہنے پر زور دیتے ہیں۔ اُردو کے صرف دو ناولوں؛ سرشار کا فسانہ آزاد اور رسوا کا امراؤ جان کو فن اور تکنیک کے اعتبار سے اہمیت دیتے ہیں۔

احسن فاروقی ناول کی تنقید کا اہم نام ہے۔ اُن کی تصنیف ''اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ'' کا ۱۹۵۱ء میں پہلا ایڈیشن اور ۱۹۶۳ء میں دوسرا ایڈیشن سامنے آیا۔ اس کتاب میں ناول کی ادوار بندی کرتے ہوئے ناول کی تاریخ رقم کی گئی ہے۔ نذیر احمد، سرشار، شرر اور رسوا پر خاص طور پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۶۲ء تک کے دور کو دورِ انحطاط کہتے ہیں۔ وہ باغ و بہار اور رانی کیتکی کی کہانی کو ناول کے قریب اور نذیر احمد کے ناولوں کو تمثیلی افسانے کہتے ہیں۔ نذیر احمد کو ناول نگار تسلیم نہیں کرتے۔ تکنیک کے اعتبار سے عزیز احمد کے

ناول 'گریز' کو داد دیتے ہیں۔احسن فاروقی اپنی کتاب کے قارئین کا انتخاب کچھ یوں کرتے ہیں:

> ''میرے لیے زیادہ سے زیادہ ناول نگاروں کے ناموں سے واقفیت کوئی معنی نہیں رکھتی اور ہر ناول نگار کو اس کے زمانے اور اس کے سوشل ماحول سے متعلّق کر لینا بہت ہی اہم تھا۔مگر سب سے زیادہ اہم ناول کے فنی شعور اور فنی عمل کا ارتقا تھا۔لہٰذا میں امید کرتا ہوں کہ یہ تصنیف ان لوگوں کے لیے مفید ہوگی جو اس نقطہ نگاہ سے ناول کو دیکھنا چاہتے ہیں۔''[۲]

ڈاکٹر سہیل بخاری کی تصنیف ''اُردو ناول نگاری'' ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔اُنھوں نے ناول نگار کے نقطۂ نظر، ناول کے موضوعات، اجزائے ترکیبی اور ناول اور دیگر اصناف کے امتیازات کو نمایاں کیا ہے۔ناول کی تاریخ کو ادوار بندی کے ذریعے پیش کیا ہے۔اُنھوں نے ناول نگاروں کے حالاتِ زندگی اور نگارشات کی تفصیل بھی لکھی ہے۔

احسن فاروقی کی ایک اور تصنیف ''ادبی تخلیق اور ناول'' ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی۔ناول کے نظری مباحث سے تعلّق رکھتی ہے۔وہ قصہ پن کو اہمیت دیتے ہیں۔اسے نیچرل قصہ گوئی قرار دیتے ہیں۔اس کے علاوہ ناول کو کرداروں کی تخلیق کا فن بھی کہتے ہیں۔وہ ناول نگار کی انفرادیت کے ساتھ قاری میں بصیرت ہونے کے بھی قائل ہیں۔ناول کی مقبولیت، ناول نگار کی انفرادیت میں مضمر ہے۔اس کتاب میں خواتین ناول نگاروں پر بھی پہلی دفعہ قلم اٹھایا گیا ہے۔اُردو کا پہلا ناول ''خط تقدیر از کریم الدین احمد'' کو محمود الٰہی نے ۱۹۶۳ء میں مرتب کیا۔

ستر کی دہائی کے اہم ناقدین میں عبد السّلام، یوسف سرمست، سید علی حیدر اور ہارون ایوب کے نام شامل ہیں۔پروفیسر عبد السّلام کی کتاب ''اردو ناول بیسویں صدی میں'' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی جس میں بیسویں صدی کے اہم ناول نگاروں کا تنقیدی محاکمہ کیا گیا ہے۔شرر کا اسکاٹ سے تقابل کیا ہے اور فردوس بریں کو صحافیانہ ناول کہا ہے۔اُن کے نزدیک

رسوا تہذیبی ناول نگار ہیں۔ وہ افشائے راز کو نامکمّل ناول قرار دینے والوں کے دلائل کا سخت جواب دیا ہے۔ پریم چند کی ناول نگاری کا تحقیقی انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ کرشن چندر کے ناولوں کو ''ادب برائے شکم'' کہا ہے۔ عصمت چغتائی کی نفسیاتی ناول نگاری کا تجزیہ کیا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں شعور کی رو، خود کلامی اور حقیقت نگاری کی ارتقائی صورتوں کی نشان دہی کی ہے۔ یوسف سرمست کی کتاب ''بیسویں صدی میں اُردو ناول'' بھی ۱۹۷۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ اُنھوں نے رجحانات کے اعتبار سے ادوار بندی کے ذریعے اُردو ناول کے ارتقائی سفر کی داستان کہی ہے۔ ''شاہد رعنا'' اور ''امراؤ جان ادا'' کی مماثلتیں تلاش کی ہیں۔ آغا شاعر دہلوی کے ناولوں میں داخلی خود کلامی کا تجزیہ کیا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے بیسویں صدی کے ناولوں پر اثرات بھی قلم بند کیے ہیں۔ رفعیہ سلطانہ اس کتاب کی تحقیقی و تنقیدی اہمیت کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> ''زیرِ نظر تصنیف میں ڈاکٹر یوسف سرمست صاحب بیسویں صدی کے اردو ناولوں پر محقّقانہ نظر ڈالی ہے اور صحیح معنوں میں تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔۔۔ نذیر احمد کے کارناموں جسے نقادوں نے تمثیل کا نام دے کر ناول سے جداگانہ صنف بتانے کی سعی کی تھی۔ مصنّف نے ناول کی جدید تکنیک کی کسوٹی پر پرکھنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر تصنیف میں بیسویں صدی کے کم و بیش ہر ایک ناول نگار کے جملہ کارناموں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ وہ ناول بھی ان کی نگاہ دوربیں سے نہ بچ سکے جو مقبول عام کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ناول کے اقسام کی بااعتبار نوعیت یہ تقسیم یعنی Serious اعلیٰ ادبی اور Popular عوام پسند ان کے ناولوں کے مطالعے کا دلچسپ اور فکر انگیز پہلو ہے۔ جس پر مستقبل کے نقاد روشنی ڈال سکتے ہیں۔''[۳]

۱۹۷۸ء میں ابوالکلام قاسمی نے ای ایم فاسٹر کی کتاب کا ترجمہ ''ناول کا فن'' کے عنوان سے کیا۔ ای ایم فاسٹر کی کتاب ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسّی کی دہائی کے لکھنے والوں میں علی احمد فاطمی، اسلم آزاد، نزہت سمیع الزماں، زرینہ عدیل، فخر الکریم صدیقی،

شمع افروز زیدی، عقیل احمد، ایمن انصاری، کے کے کھلر، وحید کوثر اور مجید بیدار کے اسماء شامل ہیں۔ اس دہائی میں تاریخی ناول پر دو کتابیں سامنے آئیں۔ علی احمد فاطمی کی کتاب ''تاریخی ناول'' ۱۹۸۰ء اور نزہت سمیع الزماں کی ''اُردو ادب میں تاریخی ناول کا ارتقا'' ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئیں۔ اسلم آزاد نے ''اُردو ناول آزادی کے بعد'' تحریر کی۔ ناول کا فن، روایت، رجحانات و امکانات کے ساتھ ساتھ آزادی کے بعد کے پندرہ ناول نگاروں کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔ زرینہ عقیل نے سوشلزم کے تناظر میں اُردو ناولوں کا مطالعہ کیا ہے۔ فخر الکریم صدیقی نے ناولوں میں خاندانی زندگی کی عکاسی، نمائندگی اور پیش کش کا جائزہ لیا ہے۔ ''اُردو ناول کا نگارخانہ'' کے کے کھلر کی تصنیف ہے۔ یہ مختصر تالیف، موضوع اور اسلوب دونوں سطحوں پر انفرادیت کی حامل ہے۔ کھلر نے تحقیقی اسلوب اپنایا ہے۔ اُنھوں نے ناول کی تاریخ اور روایت پر مضامین باندھے ہیں اور ہر ناول نگار کے لیے عنوان بھی مضمون کے مرکزی خیال کے مطابق منتخب کیا ہے مثلاً معرکہ شیخ و برہمن (سرشار)، تاریخ کا مینڈک (رسوا) وغیرہ۔ کے کے کھلر کے تخلیقی اسلوب کی جامعیت کی مثال کتاب کے تعارف سے، ملاحظہ کیجیے:

> ''اردو ناول کا نگارخانہ حاضر ہے۔ اگر کاتب نے نگارخانہ کو غلطی سے نقارخانہ لکھ دیا تو قارئین با تمکین مصنّف کو طوطی نہ سمجھ بیٹھیں کیوں کہ اردو ادب میں طوطی اوکھلا سے لے کر طوطی ہند تک سبھی موجود ہیں اور طوطی کی تذکیر و تانیث کا مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے جسے سلجھانے کے لیے رشید حسن خاں کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔ اس نگارخانے میں تصویر بتاں بھی ہیں اور حسینوں کے خطوط بھی۔ نذیر احمد سے لے کر سجاد ظہیر تک سبھی ستارے موجود ہیں۔ اردو فکشن کے بانکے جن کے جوتوں میں سو سو ٹانکے۔۔۔ نگارخانہ کو حمام نہ سمجھا جائے ورنہ یہ سبھی نو دولتیے خود بخود ننگے ہو جائیں گے۔ حالانکہ ان کو ننگا کرنے کے لیے ایک بین الاقوامی سیمینار اشد ضروری ہے۔۔۔ اُردو ناول کے نگارخانے میں جو بھی آیا ہے اس کی نقاشی ہوئی ہے۔ اگر کسی تصویر سے باس آئی ہو تو اسے تیل کی دھار سمجھ کر باعزت محاورے میں لٹا دیا جائے۔'' [۴]

شمع افروز زیدی نے اُردو ناول میں طنز و مزاح کے موضوع پر لکھا ہے۔ پہلا باب ناول کے فن پر ہے۔ اس کے بعد اُردو نثر میں طنز و مزاح کے حوالے سے تین ابواب لکھے گئے ہیں۔ ناولوں میں مزاح کے عناصر اور مزاحیہ کرداروں کو موضوع بنایا ہے۔ نصف سے زیادہ کتاب ناول سے قبل نثر میں مزاح کے عنصر کی پیش کش کو بیان کرتی ہے۔ وحید کوثر کی کتاب ''اُردو ناولوں میں تعلیمی تصورات'' ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا خاکہ تجزیاتی اور استدلالی ہے۔ اُنھوں نے ناولوں کے نام دے کر ابواب بندی نہیں کی بلکہ تعلیمی تصورات کو مرکزی موضوع بنا کر ناولوں میں موجود اس موضوع سے بحث کی ہے۔ ابواب کے نام دیکھیے: تعلیم اور خاندان، تعلیم اور مدرسہ، مادری زبان کی اہمیت، تعلیمِ نسواں، دینی مذہبی اور اخلاقی تعلیم اور تعلیم اور سماج۔ اُن کے نزدیک اُردو ناولوں پر انگریزی ادب کے اثرات تعلیمی تصورات میں بھی بہت واضح نظر آتے ہیں۔ اُردو ناول نگار ماضی سے آشنا ہو کر، حال کے تقاضوں کو سمو کر، مستقبل کے نگران بن کر تخیّل سے رنگ بھرتے ہیں۔ وہ تعلیمی موضوعات کو پلاٹ اور کردار میں سموتے ہیں۔ ناول کے انجام سے بھی نقطۂ نظر کو ابھارتے ہیں۔ ناول کے فن پر مفصّل، مدلل اور مکمّل کتاب ''ناول اور متعلّقات ناول از مجید بیدار'' ہے۔ یہ ۱۹۸۹ء میں سامنے آئی جس میں وہ ناقدین کے ہاں پلاٹ کے غیر منظّم ہونے، کتابوں میں برجستگی کی کمی اور کہانی پن کی قلت جیسے جملوں کی نشان دہی کرتے ہیں لیکن ان اعتراضات کی وضاحت اور تشریحات سے گریز کرتے ہیں۔ یہ کتاب اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے تخلیق ہوئی ہے۔ وہ اُردو ناولوں کو انگریزی ناولوں کے اصول نقد کی بنا پر جانچنے پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ ناولوں کی ۲۱ر اقسام، ناولوں میں نظریات، تحریکات ور جحانات کے اثرات، پلاٹ اور کرداروں کی اقسام، پلاٹ کے اجزا اور مکالمہ نگاری کی اقسام کو جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اُردو ناول پر تقسیم ہند کے اثرات کے حوالے سے پہلی کتاب عقیل احمد کی ''اُردو ناول اور تقسیم ہند'' ہے۔

نوّے کی دہائی کے ناول کے اہم ناقدین میں انور پاشا، سیمیں افضل، فہمیدہ کبیر،

نیلم فرزانہ، وی پی سوری، عارف مجاہد، خالد اشرف، ممتاز احمد خاں، رشید احمد گوریجہ، سیّد جاوید اختر، محمد عقیل اور آصفہ واسع شامل ہیں۔ انور پاشا کی دو کتابیں ''ترقی پسند اُردو ناول'' اور ''ہندو پاک میں اُردو ناول'' بالترتیب ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئیں۔ ''ترقی پسند اُردو ناول'' ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۷ء کے دورانیے کی ناول نگاری کو محیط ہے۔ اس کتاب میں ترقی پسند ناولوں کا موضوعات، رجحانات اور تکنیک کے حوالے سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ سجاد ظہیر، کرشن چندر، عزیز احمد اور عصمت چغتائی کے ناولوں کا خصوصی جائزہ لیا گیا ہے۔ ''ہندو پاک میں اُردو ناول'' میں ہندوستانی اور پاکستانی ناولوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ تقابلی مطالعے کی منہاج میں؛ تہذیبی فکر فضا، موضوعات و مسائل، پلاٹ اور کردار، اور تکنیک شامل ہیں۔ اس منفرد مطالعے کی یہ پہلی کاوش ہے۔ ابتدا میں ہندوستانی اور پاکستانی ناول نگاروں کے نمائندہ ناولوں کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ اس دہائی میں خواتین ناول نگاروں کے مطالعے پر تین کتابیں لکھی گئی ہیں۔ سیمیں ثمر افضل کی ''ہندوستان میں مسلم خواتین ناول نگار'' (۱۹۹۱ء)، نیلم فرزانہ کی ''اُردو ادب میں خواتین ناول نگار'' (۱۹۹۲ء)، سید جاوید اختر کی ''اُردو کی ناول نگار خواتین'' (۱۹۹۷ء) میں شائع ہوئیں۔ ''اُردو ناول میں عورت کا تصور'' فہمیدہ کبیر کی کتاب ہے جس میں نذیر احمد سے لے کر پریم چند تک کے چھ اہم ناول نگاروں کے ناولوں میں عورت کے تصوّر کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان ناول نگاروں میں؛ نذیر احمد، سرشار، شرر، رسوا، راشد الخیری اور پریم چند شامل ہیں۔ وی پی سوری کی کتاب ''اُردو فکشن میں طوائف'' ۱۹۹۲ء میں سامنے آئی۔ ۱۹۹۳ء میں ناول کی تنقید پر بھی ایک کتاب ''اُردو ناول میں تنقید'' از عارف مجاہد شائع ہوئی۔ خالد اشرف کی اہم تصنیف ''برصغیر میں اُردو ناول'' ۱۹۹۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب میں تقسیم ہند سے قبل کی روایت پر لکھنے کے ساتھ ساتھ پانچ موضوعات بنا کر ناولوں کا موضوعاتی مطالعہ کیا ہے۔ موضوعات و رجحانات میں؛ معاشرتی حوالوں کے ساتھ ساتھ فسادات، ہجرت، ناسٹلجیا، ریاست اور احتجاج، تاریخ کی بازگوئی، نفسیات اور جنس شامل ہیں۔ وہ پاکستانی ناولوں میں پرمغز سیاسی بیداری کا اعتراف کرتے ہیں۔ قمر رئیس نے خالد اشرف

کے تجزیات کونو تاریخی مطالعے سے تعبیر کیا ہے۔ اس حوالے سے قاضی عبدالستار اور انور ظفر پیامی، مستنصر حسین تارڑ اور حمید ہاشمی کے ناولوں کو اہم قرار دیتے ہیں۔اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں:

''نو تاریخیت اس پر زور دیتی ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں چوں کہ انسانیت سیاسی نظریوں کی آویزش اور سیاسی تہلکوں کی زد میں رہی ہے اس لیے ان صدیوں کے ادب کا جوہر سیاسی فکر سے مملو ہے۔۔۔اس لیے حیرت کی بات نہیں کہ بعض حلقوں میں نو تاریخیت کے اس نظریہ کو نو مارکسیت Neo-Marxism سے بھی تعبیر کیا جارہا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ عہد گزشتہ میں کلاسیکی مارکسی نظریہ کے تحت ادب کا مطالعہ اکثر میکانکی انداز سے کیا گیا اور اب اس میں لچک، وسعت اور کثیر الابعادی پیدا ہوگئی ہے۔آزادی کے برصغیر میں اردو ناول کے بارے میں ڈاکٹر خالد اشرف کے اس تنقیدی مقالے کو پڑھتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ انھوں نے اپنے مطالعے میں شعوری یا غیر شعوری طور پر نو تاریخی رویے کو ہی برتا ہے۔''[۵]

ممتاز احمد خاں اُردو ناول کے اہم نقاد ہیں۔اس دہائی میں اُن کی دو کتابیں شائع ہوئیں۔''اُردو ناول کے بدلتے تناظر'' ۱۹۹۳ء میں سامنے آئی جس میں بیسویں صدی کے اکیس ناول نگاروں پر مضامین موجود ہیں۔''آزادی کے بعد اُردو ناول'' کی پہلی اشاعت ۱۹۹۷ء اور دوسری اشاعت ۲۰۰۸ء میں ہوئی۔ یہ کتاب اُردو ناول کے ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۷ء تک کے رجحانات، ہیئت اور تکنیک کے حوالے سے مطالعے پر مبنی ہے۔ ہیئت کے زمرے میں ناول کے فن پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔رجحانات کی ذیل میں حقیقت پسندی، تہذیبی، آدرشی، نفسیاتی و جنسی، فنٹسیائی، تاریخی و سیاسی، ناسٹلجیائی، مزاحیہ، رومانی عشقیہ، سوانحی، تجرباتی اور دستاویزی، رجحانات کے حوالے سے ناولوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔''آگ کا دریا'' کا خصوصی مطالعہ بھی کتاب کا حصہ ہے۔ رشید احمد گوریجہ کی کتاب ''اُردو میں تاریخی ناول'' ۱۹۹۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔اس کتاب میں تاریخی ناولوں کا ارتقائی، تدریجی اور تاریخی مطالعہ

(بہ معنی روایت) پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب میں فسادات اور پاکستانی ناولوں میں تاریخی ناول نگاری کے رجحان کو موثر انداز میں بیان کیا ہے۔وہ موضوع کی یکسانیت کو تاریخی ناول کا بڑا سبب قرار دیتے ہیں۔''جدید ناول کا فن'' محمد عقیل کی تصنیف ہے۔اس مختصر کتاب میں جدید ناول کی مبادیات کے زوال کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔

اکیسویں صدی میں اُردو ناول کی تنقید کے حوالے سے بسیط ذخیرہ سامنے آیا۔ اکیسویں صدی کے ان اٹھارہ برسوں میں جتنی تنقیدی کتب سامنے آئیں، وہ ۱۹۴۴ء سے ۲۰۰۰ء تک شائع ہونے والی کتب کی تعداد سے زاید ہیں۔اُردو ناول کی تنقید میں خواتین لکھنے والوں کا کردار بھی حیرت انگیز طور پر متاثر کُن ہے۔اُردو ناول پر سب سے زیادہ تنقیدی کتب خواتین نے تحریر کی ہیں۔اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں جو لکھنے والے سامنے آتے ہیں اُن میں؛ رفیعہ شبنم، شہناز پروین، ایم عظیم اللہ، صغرا مہدی، فاروق عثمان، صغیر افراہیم، مشتاق وانی، محمد شاکر، غیاث الدین، نگینہ جبیں، ڈاکٹر عقیلہ جاوید، محمد عارف، سورج دیو سنگھ، نگہت جہاں، بہادر منی، ناہید قمر، افضال بٹ، عظیم الشان صدیقی، نجمہ صدیق اور ایس کے جبیں شامل ہیں۔رفیعہ شبنم عابدی کی مرتبہ کتاب ''معاصر اُردو ناول'' ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔نظری مباحث اور تجزیات پر مبنی ہے۔قدوس جاوید کا مضمون بہ عنوان ''مابعد جدید ناول'' خاصے کی چیز ہے۔ہندوستانی ناولوں کے تجزیے بھی شاملِ کتاب ہیں۔۲۰۰۱ء میں ناولوں پر مغربی اثرات کے جائزے پر مبنی دو کتب شائع ہوئیں۔اُردو ناولوں اور افسانوں پر یورپی اثرات'' شہناز پروین اور ''اُردو ناول پر انگریزی اثرات'' از ایم عظیم اللہ کی تصانیف ہیں۔فاروق عثمان کی کتاب ''اُردو ناول میں مسلم ثقافت'' ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ثقافت کی تفہیم وتعبیر کے لیے پہلا باب بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔عزیز احمد، انتظار حسین، قرۃ العین حیدر اور خدیجہ مستور کے ناولوں میں مسلم ثقافت کا خصوصی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ''اُردو ناولوں میں عورت کی سماجی حیثیت'' صغرا مہدی کی کتاب ہے جو ۲۰۰۲ء میں منظرِ عام پر آئی۔مختلف مذاہب میں عورت کا مقام، انیسویں صدی کے ہندوستان میں عورت کی سماجی

حیثیت اور آزادیِ نسواں کی تحریک کے حوالے سے لکھنے کے بعد تعلیم، پردہ، بیوہ کے مسائل، تعدد ازدواج، خلع، طوائف کا مسئلہ کے حوالے سے اُردو ناولوں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مشتاق وانی کی کتاب ''تقسیم کے بعد اُردو ناول میں تہذیبی بحران'' میں قدیم اور جدید تہذیبوں میں بحران کی روایت کو ابتدا میں موضوع بنایا ہے۔ بحران کے اسباب میں سائنسی انکشافات، اقتصادی نظام، انسانی اقدار کی شکست اور مذہبی حقائق کو باطل قرار دینا، گنوائے گئے ہیں۔ اُنھوں نے تہذیبی بحران کے اُردو ناول کے موضوع اور ہیئت پر اثرات بھی قلم بند کیے ہیں۔ ''اُردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ از نگینہ جبیں'' بھی ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کے ناولوں کو، تقسیم ہند، فسادات، خواتین ناول نگاروں اور جدید علامتی ناولوں میں سماجی و سیاسی تناظر کے حوالے سے دیکھا گیا ہے۔ محمد شاکر کی کتاب ''اُردو میں تاریخی ناول نگاری'' ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی جس میں آزادی سے قبل اور بعد کے تاریخی ناولوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ سرشار کو انگریزی ناولوں سے متاثر قرار دے کر عبدالحلیم شرر کو ناول کے فن کی سمجھ بوجھ رکھنے والا ناول نگار کہا ہے۔ ملک العزیز ور جینا کو اُردو کا پہلا تاریخی ناول کہتے ہیں۔ ''اُردو ناول میں تانیثیت'' ڈاکٹر عقیلہ جاوید کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔ اُنھوں نے تاریخ، تہذیب اور مذہب میں عورت کے تصور پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ اُردو کے ابتدائی ناولوں میں عورت کی عام زندگی کی تصویر کشی کو حقیقت نگاری کی دین قرار دیتی ہیں اور اُردو کے اہم ناولوں کی روشنی میں ہندوستانی عورت کے تصور کو اجاگر کرتی ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد اس کتاب کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''تانیثیت کے حوالے سے بعض انتہا پسند آوازیں ایسی بھی ہیں جو حیاتیاتی بنیاد پر بھی عورت کا مخصوص طور پر ذکر پسند نہیں کرتیں مگر اس ساری تحریک کو اگر سماجی عدل کے ایک خواب سے منسلک کر کے دیکھا جائے تو پھر عورت ظلم اور ناانصافی کے ہدف کے طور پر سامنے نہیں آتی بلکہ وہ سماجی قوتیں بھی بے نقاب ہوتی ہیں جنھوں نے اپنے تعصّب، امتیاز اور ناانصافی کو مذہب کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اس لیے صبر و رضا،

تقدیر و تقلید کا درس دینے کی کوشش پر سے اعتبار اٹھ رہا ہے۔ رجعت پسند اور استحصالی قوتوں کی مضحکہ خیزی آہستہ آہستہ پسپا ہو رہی ہے۔۔۔اس تناظر میں ڈاکٹر عقیلہ جاوید کا یہ تحقیقی مقالہ جس پر نظر ثانی کر کے اس نے کتابی روپ میں دیا ہے، کچھ فکر انگیز موضوعات کو یک جا کر رہا ہے، کچھ سوالوں کو اٹھا رہا ہے، کچھ سوالوں کے دیئے گئے جوابات کی حرمت کو للکار رہا ہے۔'' [٦]

''فرقہ واریت اور اُردو ناول'' از غیاث الدین بھی ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔ فرزانہ نسیم کی کتاب ''اُردو ناول میں متوسط طبقہ کے مسائل'' ۲۰۰٦ء میں شائع ہوئی جس میں متوسط طبقے کی تعمیر و تشکیل کے سماجی مباحث کو بنیادی باب بنایا گیا ہے۔ ناولوں کے حوالے سے متوسط طبقے میں عورت کی حیثیت کے علاوہ متوسط طبقے کے کرداروں کی مصوری، دیہی و شہری زندگی کو مختصر انداز میں ناولوں کے حوالے سے نمایاں کیا ہے۔ نگہت جہاں کی کتاب ''اُردو ناولوں پر تقسیم ہند کے اثرات'' ۲۰۰٦ء میں شائع ہوئی۔ ''اُردو اور ہندی کے سیاسی ناول: تقابلی مطالعہ'' از سورج دیو سنگھ کی تصنیف ہے۔ سیاست اور ادب کی ہم رشتگی پر بنیادی بحث کے بعد دونوں زبانوں میں ناول کی روایت کو بیان کیا گیا ہے۔ تقسیم ہند کے حوالے سے ''آنگن'' اور ''آدھا گاؤں'' کا تقابلی مطالعہ، سیاسی بدنظمی کے لیے ''ایک گدھے کی سرگزشت'' اور ''جنگل تنتر م''، ہنگامی (مارشل لا) صورتِ حال کے حوالے سے ''خوشیوں کا باغ اور رات کا رپورٹر'' کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ شہاب ظفر اعظمی کی کتاب ''اُردو ناول کے اسالیب'' ۲۰۰٦ء میں شائع ہوئی۔ مذکورہ تناظر میں یہ پہلا تحقیقی مطالعہ ہے۔ ترقی پسند ناولوں اور مابعد ترقی پسند ناولوں کے اسالیب کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اسی سال محمد عارف کی ''اُردو ناول میں آزادی کے تصورات'' سامنے آئی۔ وہ ہندوستان میں ناول کی پذیرائی کو انگریزوں کے ہندوستانی تسلّط کے دوران تہذیب جدید کے انسانیت پر مرتب ہونے والے اثرات میں سے ایک کہتے ہیں نیز آزادی کے قدیم و جدید تصورات پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے جس میں اُردو ناولوں میں آزادی کے تصور کی معاشی، سیاسی اور نفسیاتی تعبیرات کی صورت واضح کی

ہے۔اس کتاب کے مقصد کے حوالے سے محمد عارف لکھتے ہیں:

''اکیسویں صدی کے پہلے ہی برس جہان سوم کے مسلم مما لک پر لبرل ہونے کی بجائے بنیاد پرست اور دہشت گرد ہونے کا لیبل چسپاں کر دیا گیا۔ جہان اول کے حکمرانوں نے جہان دوم کو مٹانے کے بعد، مغرب اور مشرق کی تقسیم کو West اور Rest کی محاذ آرائی کا نام دے دیا۔گویا جدید مغربی تہذیب کو غیر مغربی، غیر مہذب، وحشی، دہشت گرد، دوسرے (Others) تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔اہلِ مغرب مابعدالجدیدیت دنیا کے باسی ہیں اور اصل انسان ہیں۔باقی سب لوگ تہذیب دشمن، دہشت گرد ہیں۔اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی خداوندان سفیدان فرنگی کا یہی موقف ہے۔فی الحال انھوں نے مسلمانانِ عالم کو اپنے قہر و عتاب کا ہدف بنایا ہے۔لہٰذا کوشش کی گئی ہے کہ عصری تقاضے کے عین مطابق از روئے تحقیق ثابت کیا جائے کہ برصغیر میں انسانوں کا عمومی دھارا جدید ہے اور لبرل ہے دونوں مقاصد تحقیق کو اجاگر کرنے کی غرض سے آزادی کے تصورات اور اردو ناول کا جسم و جاں جیسا تعلّق ثابت کرنا، یقیناً سودمند رہے گا۔'' [۷]

قمر رئیس اور علی احمد فاطمی کی مرتبہ کتاب ''ہم عصر اُردو ناول۔ایک مطالعہ'' ۲۰۰۷ء میں سامنے آئی جو معاصر ہندوستانی ناولوں کے تجزیے پر مبنی ہے۔ریاض احمد نے ''ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول'' میں اُردو ناول پر ترقی پسند تحریک کے اثرات اور ترقی پسند ناولوں کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کی کتاب ''اُردو ناول کے ہمہ گیر سروکار'' ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے اس میں اکیسویں صدی کے معاصر ناولوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔۲۰۰۸ء میں ناہید قمر نے اُردو فکشن میں وقت کا تصور جیسے منفرد موضوع پر لکھا۔مخصوص علاقوں میں ناول نگاری کے تنقیدی مطالعے کا رجحان بھی اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں شروع ہوا۔یوسف تقی نے ''بنگال میں اُردو ناول'' تحریر کی۔خلیل فتح نے ''ریاست کرناٹک میں اُردو ناول'' لکھی۔بہار میں ناول نگاری پر تین کتابیں سامنے آئیں۔''بہار میں اُردو ناول نگاری'' از آصفہ واسع ۱۹۹۷ء، ''بہار میں ناول نگاری ۱۹۸۰ء

کے بعداز رئیس انور''،''بہار میں اُردو ناول کا نیا منظر نامہ از نگہت تبسّم''۲۰۱۱ء میں شائع ہوئیں۔ شبنم رضوی کی کتاب''آزادی کے بعد اتر پردیش میں ناول''۲۰۱۵ء میں سامنے آئی۔

''اُردو ناولوں میں نسائی حیثیت''از حمیرہ سعید ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں صرف دس خواتین ناول نگاروں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ایس کے جبیں کی کتاب ''اُردو کی خواتین ناول نگار'' بھی اسی سال شائع ہوئی۔اُنھوں نے قدیم اور جدید خواتین ناول نگاروں کے حوالے سے،خواتین ناول نگاروں کے سوانحی پس منظر اور نسوانی کرداروں میں عورتوں کے استحصالی رویے کا تجزیہ کیا ہے۔ابتدائی خاتون ناول نگار اکبری بیگم کا تحقیقی حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔''اُردو ناول: آغاز و ارتقاء ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء''از عظیم الشان صدیقی اُردو ناول کی ابتدائی روایت کے مدلل تجزیے پر مبنی ہے۔ناول کے تشکیلی عناصر،اقسام،ناول کے آغاز کا پس منظر،نذیر احمد کے اصلاحی ناول،مقلّدین نذیر احمد،معاشرتی ناول کے حوالے سے سرشار کا مطالعہ،رومانی ناول،تاریخی ناول اور نفسیاتی ناول کی مفصّل و مکمّل روایت پیش کی گئی ہے۔تحقیقی حوالے سے اس کتاب میں تمام ناول نگاروں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔اب تک شائع ہونے والی اُردو ناول کی روایت پر مبنی کتب پر یہ کتاب تحقیقی و تنقیدی دونوں حوالوں سے تحسین کی مستحق ہے۔افضال بٹ کی کتاب''اُردو ناول میں سماجی شعور''۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔

''اُردو ناول میں زوالِ فطرتِ انسانی کی حیوانی تمثیلات''بازغہ قندیل کی تصنیف ہے جو ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی جس میں اردو ناول کے حوالے سے؛ انسانی عادات و اطوار، اخلاقی اقدار،نفسیاتی زندگی میں بدلاؤ کو کردار نگاری کے روپ میں نمایاں کیا گیا ہے۔ صبا جاوید نے''اُردو ناول اور پاکستان''۲۰۱۲ء میں تحریر کی۔اسی سال تقسیم ہند کو محمد نسیم نے موضوع بنایا۔اُن کی کتاب''اُردو ناول پر تقسیم ہند کے المیے کے اثرات''کے نام سے شائع ہوئی۔۲۰۱۳ء میں روبینہ پروین نے''اُردو ناول میں مہاجر کردار''کو موضوع بنایا۔۲۰۱۴ء میں اکرم خان نے''آزادی کے بعد اُردو ناولوں میں شہری زندگی''جیسے منفرد موضوع پر لکھا۔

رحمٰن عباس اور مشرف عالم زوقی دونوں ناول نگار ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں دونوں کی ناول پر کتب بالترتیب ''اکیسویں صدی میں اُردو ناول اور دیگر مضامین'' اور ''سلسلہ روز و شب: اُردو ناولوں کا خصوصی مطالعہ'' سامنے آئیں۔ سید محمود کاظمی نے رالف فاکس کی کتاب کا ترجمہ ''ناول اور عوام'' کے عنوان سے ۲۰۱۴ء میں کیا۔ اسی برس رضا احمد کی ''اُردو ناول میں تصوف کی روایت'' شائع ہوئی۔ ۲۰۱۵ء میں واثق الخیر نے ''اُردو ناولوں میں خاندان کا بدلتا منظر نامہ'' کو موضوع بنایا۔ اس سال خواتین کے حوالے سے دو کتابیں سامنے آئیں۔ شارقہ شفیق کی کتاب ''اُردو ناول میں خواتین کے سماجی مسائل کی عکاسی'' اور افسانہ پروین کی ''اُردو کے نمائندہ ناولوں میں مسلم خواتین کی تصویر کشی'' ہے۔ ''اُردو ناول کا ارتقا'' از عفت النسا اور ''جدید اُردو ناول کا سفر'' از پروفیسر بشریٰ بھی اسی سال سامنے آئیں۔ ۲۰۱۶ء میں اسلوبیات کے ماہر طارق سعید کی کتاب ''اُردو ڈراما اور ناول: اُصول و فن'' شائع ہوئی۔ اسی سال ناول کے فن اور روایت پر صغیر افراہیم کی ''اُردو ناول، تعریف، تاریخ اور تجزیہ'' شائع ہوئی۔ ناول کے فن پر ایک اور کتاب علی احمد فاطمی کی ''ناول کی شعریات'' ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئی۔

۲۰۱۶ء میں ترقی پسند ناول کے مطالعہ پر مبنی دو کتابیں لکھی گئیں جن میں؛ منتظر مہدی کی کتاب ''ترقی پسند اُردو ناول'' اور شکیلہ نگار کی کتاب ''اُردو ناول میں طبقاتی کشمکش'' شامل ہیں۔ اکیسویں صدی کے ناول پر نعیم انیس کی کتاب ''اکیسویں صدی میں اُردو ناول'' سامنے آئی۔ اُردو ناول میں اودھ کی پیش کش کے حوالے سے رضا عباس نیرّ کی کتاب ''اُردو ناول اور اودھ'' شائع ہوئی۔ سعیدہ رضوی نے ''اُردو کے غیر مسلم ناول نگار'' پر قلم اٹھایا۔ ۲۰۱۷ء میں شائع ہونے والی محمد نعیم کی کتاب ''اُردو ناول اور استعماریت'' ایک منفرد موضوع پر منفرد تحریر ہے۔ ۲۰۱۸ء میں شاہد نواز نے ''پاکستانی اُردو ناول میں عصری تاریخ'' کی پیش کش کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ نوشاد کامران نے اِسی برس ''اُردو ناول: آزادیِ ہند کے تناظر میں'' کے روایتی موضوع کو ایک بار پھر موضوع بنایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ آل احمد سرور، پیش لفظ، ناول کیا ہے؟، نورالحسن ہاشمی، احسن فاروقی، لکھنؤ: دانش محل، ۱۹۴۸ء، ص ۱۱

۲۔ احسن فاروقی، اردو ناول کی تنقیدی تاریخ، لکھنؤ: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۳ء، ص ۶

۳۔ رفیعہ سلطانہ، تعارف، بیسویں صدی میں اردو ناول، یوسف سرمست، حیدر آباد: نیشنل بک ڈپو، ۱۹۷۳ء، ص ۴۔۵

۴۔ کے کے کھلر، اردو ناول کا نگار خانہ، نئی دہلی: سیمانت پرکاشن، ۱۹۸۳ء، ص ۷۔۱۰

۵۔ قمر رئیس، حرفِ اوّل، برصغیر میں اردو ناول، خالد اشرف، دہلی: اردو مجلس، ۱۹۹۴ء، ص ۶۔۷

۶۔ ڈاکٹر انوار احمد، عقیلہ اور اس کی کتاب کے لیے چند لفظ، اردو ناول اور تانیثیت، عقیلہ جاوید، ملتان: شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، 2005ء، ص ۱۰

۷۔ محمد عارف، اردو ناول اور آزادی کے تصورات، (طبع دوم) لاہور: کوپرا، ۲۰۱۱ء، ص ۵

ناول پر لکھی جانے والی تنقیدی کتب کی فہرست

اُردو ناول کے مجموعی جائزے یا تناظراتی مطالعے پر مبنی کتب (زمانی ترتیب) کی تفصیل پیش خدمت ہے:

۱۔ ناول کی تاریخ و تنقید، علی عباس حسینی، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۴۴ء
۲۔ ناول کیا ہے؟ احسن فاروقی، نورالحسن ہاشمی، دانش محل، لکھنؤ، ۱۹۵۱ء
۳۔ اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ، احسن فاروق، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور، ۱۹۵۱ء
۴۔ اُردو ناول نگاری، سہیل بخاری، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۶۰ء
۵۔ ادبی تخلیق اور ناول، احسن فاروقی، مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۶۳ء
۶۔ اُردو ناول بیسوی صدی میں، پروفیسر عبدالسّلام، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۷۳ء
۷۔ بیسویں صدی میں اُردو ناول، یوسف سرمست، نیشنل بک ڈپو، حیدر آباد، ۱۹۷۳ء
۸۔ اُردو ناول: سمت و رفتار، سید علی حیدر، شبستان، الٰہ آباد، ۱۹۷۷ء
۹۔ اُردو ناول، پریم چند کے بعد، ہارون ایوب، اُردو پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء
۱۰۔ ناول کا فن، ای ایم فاسٹر/ ابوالکلام قاسمی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۸ء
۱۱۔ تاریخی ناول: فن اور اُصول، علی احمد فاطمی، تہذیب نو پبلی کیشنز، الٰہ آباد، ۱۹۸۰ء
۱۲۔ اُردو ناول آزادی کے بعد، اسلم آزاد، نگھار پبلی کیشنز، مئو ناتھ بھنجن، یوپی، ۱۹۸۱ء
۱۳۔ اُردو ادب میں تاریخی ناول کا ارتقا، نزہت سمیع الزماں، دانش محل، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء

۱۴۔ اُردو ناول میں سوشلزم، زرینہ عقیل احمد، کتابستان، الٰہ آباد، ۱۹۸۲ء
۱۵۔ اُردو ناول کا نگار خانہ، کے کے کھلر، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء
۱۶۔ اُردو ناول میں خاندانی زندگی، فخرالکریم صدیقی، تہذیب نو پبلی کیشنز، الٰہ آباد، ۱۹۸۴ء
۱۷۔ اُردو ناول میں طنز و مزاح، شمع افروز زیدی، بیسوی صدی میں پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۸۷ء
۱۸۔ اُردو ناولوں میں تعلیمی تصورات، وحید کوثر، الیاس ٹریڈرز، حیدر آباد، ۱۸۷ء
۱۹۔ اُردو ناول اور تقسیم ہند، عقیل احمد، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۷ء
۲۰۔ اُردو ناولوں میں سماجی مسائل کی عکاسی، محمد ایمن انصاری، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۸ء
۲۱۔ ناول اور متعلّقات ناول، مجید بیدار، نیشنل پریس، حیدر آباد، ۱۹۸۹ء
۲۲۔ ترقی پسند اُردو ناول، انور پاشا، پیش رو پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء
۲۳۔ ناول اور ناول نگار، علی عباس حسینی، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۹۰ء
۲۴۔ ہندوستانی مسلم خواتین کی جدید تعلیمی ترقی میں ابتدائی اُردو ناولوں کا حصہ، سیمیں ثمر افضل، ادبی پبلی کیشنز، کلکتہ، ۱۹۹۱ء
۲۵۔ اُردو ناول میں عورت کا تصور، فہمیدہ کبیر، کلکتہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء
۲۶۔ اُردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار، نیلم فرزانہ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء
۲۷۔ اُردو فکشن میں طوائف، وی پی سوری، ادارہ فکر جدید، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء
۲۸۔ اُردو ناول کے بدلتے تناظر، ممتاز احمد خاں، ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۱۹۹۳ء
۲۹۔ برصغیر میں اُردو ناول، خالد اشرف، اُردو مجلس، دہلی، ۱۹۹۴ء
۳۰۔ تین ناول نگار، رضی عابدی، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۴ء
۳۱۔ اُردو میں ناول کی تنقید، عارف مجاہد، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد، ۱۹۹۳ء
۳۲۔ اُردو میں تاریخی ناول، رشید احمد گوریجہ، ابلاغ، لاہور، ۱۹۹۴ء
۳۳۔ آزادی کے بعد اُردو ناول، ممتاز احمد خاں، انجمن ترقی اُردو کراچی، ۱۹۹۷ء
۳۴۔ اُردو کی ناول نگار خواتین، سید جاوید اختر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء
۳۵۔ بہار میں اُردو ناول نگاری، آصفہ واسع، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء
۳۶۔ جدید ناول کا فن، محمد عقیل، نیا سفر پبلی کیشنز، الٰہ آباد، ۱۹۹۷ء

۳۷۔ معاصر اُردو ناول، رفیعہ شبنم عابدی، شعبہ اُردو، بمبئی یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء
۳۸۔ اُردو ناولوں اور افسانوں پر یورپی فکشن کے اثرات، شہناز پروین، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء
۳۹۔ اُردو ناول پر انگریزی ناول کے اثرات، ایم عظیم اللہ، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء
۴۰۔ اُردو ناولوں میں عورت کی سماجی حیثیت، صغرا مہدی، سجاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء
۴۱۔ اُردو ناول میں مسلم ثقافت، فاروق عثمان، بیکن بکس ملتان، ۲۰۰۲ء
۴۲۔ تقسیم کے بعد اُردو ناول میں تہذیبی بحران، مشتاق احمد وانی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۲ء
۴۳۔ اُردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ، نگینہ جبیں، ادارہ نیا سفر، الہ آباد، ۲۰۰۲ء
۴۴۔ اُردو کے پندرہ ناول، اسلوب احمد انصاری، یونیورسل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء
۴۵۔ اُردو فکشن: تنقید اور تجزیہ، صغیر افراہیم، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء
۴۶۔ اُردو ناول کے چند اہم زاویے، ممتاز احمد خاں، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۲۰۰۳ء
۴۷۔ اُردو میں تاریخی ناول نگاری، محمد شاکر، کتابستان، الہ آباد، ۲۰۰۳ء
۴۸۔ اُردو ناول میں تانیثیت، عقیلہ جاوید، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ۲۰۰۵ء
۴۹۔ فرقہ واریت اور اُردو ناول، محمد غیاث الدین، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء
۵۰۔ اُردو اور ہندی کا سیاسی ناول: تقابلی مطالعہ، سورج دیو سنگھ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۵۱۔ اُردو ناول کے اسالیب، شہاب ظفر اعظمی، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۵۲۔ اُردو ناول اور آزادی کے تصورات، محمد عارف، کو پرا، لاہور، ۲۰۰۶ء
۵۳۔ اُردو ناولوں پر تقسیم ہند کے اثرات، نگہت جہاں، نظامت فاصلاتی تعلیم، حیدر آباد، ۲۰۰۶ء
۵۴۔ اُردو ناول میں متوسط طبقہ کے مسائل، فرزانہ نسیم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۵۵۔ ہم عصر اُردو ناول، مرتب قمر رئیس، علی احمد فاطمی، ایم۔ آر پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء
۵۶۔ ترقی پسند تحریک اور اُردو ناول، ریاض احمد، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء
۵۷۔ اُردو ناول۔ ایک مطالعہ، محمد بہادر علی، گونج پبلی کیشنز، نظام آباد، ۲۰۰۷ء

۵۸۔ بنگال میں اُردو ناول، یوسف تقی، عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ، ۲۰۰۷ء
۵۹۔ اُردو فکشن میں وقت کا تصور، ناہید قمر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
۶۰۔ اُردو کے اٹھارہ ناول، حامد علی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء
۶۱۔ پاکستانی خواتین کے رجحان ساز ناول، نجمہ صدیق، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۰۸ء
۶۲۔ اُردو ناول: آغاز وارتقا، عظیم الشان صدیقی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء
۶۳۔ اردو فکشن اور سینما، رضوان الحق، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۲۰۰۸ء
۶۴۔ اُردو ناولوں میں نسائی حسیّت، ڈاکٹر حمیرا سعید، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء
۶۵۔ اُردو ناول میں سماجی شعور، افضال بٹ، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء
۶۶۔ اُردو کی خواتین ناول نگار، ایس کے جبیں، بک امپوریم، پٹنہ، ۲۰۰۹ء
۶۷۔ اُردو میں علاقائی ناول، شگفتہ تبسّم، میزان پبلشرز، سری نگ۲۰۱۰ء
۶۸۔ ریاست کرناٹک کی ناول نگاری، خلیل فتح، کرناٹک اُردو اکادمی، بنگلور، ۲۰۱۰ء
۶۹۔ بہار میں اُردو ناول کا نیا منظر نامہ، نکہت تبسّم، ارم پبلشنگ ہاؤس، پٹنہ، ۲۰۱۱ء
۷۰۔ بہار میں ناول نگاری، رئیس انور، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء
۷۱۔ تقسیم ہند اور ناول کر مانوالی، شاہینہ اختر، میزان پبلشرز، سری نگر، ۲۰۱۱ء
۷۲۔ اُردو فکشن پر روسی ادب کے اثرات، پروین کلو، ریشنل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء
۷۳۔ جدید اُردو ناول: تنقید و تجزیہ، طارق تمکین، میزان پبلشرز، سری نگر، ۲۰۱۱ء
۷۴۔ اُردو ناول اور پاکستان، صبا جاوید، الفتح پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۲ء
۷۵۔ اُردو ناول پر تقسیم ہند کے المیے کے اثرات، محمد نسیم، بک امپوریم، دہلی، ۲۰۱۲ء
۷۶۔ اُردو ناول میں زوالِ فطرتِ انسانی کی تمثیلات، بازغہ قندیل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء
۷۷۔ فکشن کی تفہیم، مقصود دانش، مغربی بنگال اردو اکادمی، کلکتہ، ۲۰۱۲ء
۷۸۔ اُردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، ممتاز احمد خاں، فکشن ہاوس، لاہور، ۲۰۱۲ء
۷۹۔ اُردو فکشن: لسانی تنوع، بیانیہ اور موزونیت، مرتب، اے آر فتیحی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۳ء

۸۰۔ اردو فکشن اور علی گڑھ، فرخ جاوید، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء

۸۱۔ اُردو ناول میں مہاجر کردار، روبینہ پروین، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء

۸۲۔ اکیسویں صدی میں اُردو ناول اور دیگر مضامین، رحمٰن عباس، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء

۸۳۔ اُردو ناول میں تصوف کی روایت، رضا احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۴ء

۸۴۔ ترقی پسند تحریک اور اردو فکشن، محمد اشرف، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۴ء

۸۵۔ اُردو کی خواتین فکشن نگار، صدف مشتاق، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۲۰۱۴ء

۸۶۔ آزادی کے بعد اُردو ناولوں میں شہری زندگی، محمد اکرم خاں، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء

۸۷۔ سلسلۂ روز و شب: اُردو ناولوں کا خصوصی مطالعہ، مشرف عالم ذوقی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء

۸۸۔ ناول اور عوام، رالف فاکس/ سید محمود کاظمی، قومی کونسل فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء

۸۹۔ اُردو ناول میں خواتین کے سماجی مسائل کی عکاسی، شارقہ شفقتین، ارم پبلشنگ ہاؤس، پٹنہ، ۲۰۱۵ء

۹۰۔ اُردو ناول کا ارتقا (ابتدا تا ۱۹۳۶ء)، عصمت النساء، عرشیہ پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء

۹۱۔ اُردو کے نمائندہ ناولوں میں مسلم خواتین کی تصور کشی، افسانہ پروین، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء

۹۲۔ آزادی کے بعد اتر پردیش میں اُردو ناول، شبنم رضوی، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء

۹۳۔ اردو ناول: کرداروں کا حیرت کدہ، ممتاز احمد خاں، فضلی سنز، کراچی، ۲۰۱۵ء

۹۴۔ جدید اُردو ناول کا سفر، پروفیسر بشریٰ، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء

۹۵۔ اردو فکشن: مبادیات و جزئیات، طارق سعید، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۵ء

۹۶۔ فکشن کا اسلوب، خالد محمود خاں، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۱۵ء

۹۷۔ اُردو ناولوں میں خاندان کا بدلتا منظر نامہ، واثق الخیر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء

۹۸۔ ناول کی شعریات، علی احمد فاطمی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء

۹۹۔ فن فکشن نگاری، (تین جلدیں) مترجم محمد عمر میمن، مکتبہ دانیال، کراچی، ۲۰۱۶ء
۱۰۰۔ ترقی پسند اُردو ناول، منتظر مہدی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۱۰۱۔ اکیسویں صدی میں اُردو ناول، نعیم انیس، عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ، ۲۰۱۶ء
۱۰۲۔ اُردو فکشن کے مضمرات، ابوالکلام قاسمی، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ، ۲۰۱۶ء
۱۰۳۔ اُردو فکشن میں تصور وقت، محمد نوشاد، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۲۰۱۶ء
۱۰۴۔ اُردو کے غیر مسلم ناول نگار، سعیدہ رضوی، کتابی دنیا، رام پور، ۲۰۱۶ء
۱۰۵۔ اُردو ناول اور اودھ، عباس رضا نیرّ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۱۰۶۔ اُردو ناول: تنقید و تجزیہ، سلیم محی الدین، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۱۰۷۔ اُردو ناول میں طبقاتی کشمکش، شکیلہ نگار، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۱۰۸۔ اُردو ڈراما اور ناول: اُصول و فن، طارق سعید، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۱۰۹۔ اُردو ناول، تعریف، تاریخ اور تجزیہ، صغیر افراہیم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۱۱۰۔ ناول کا فن، میلان کنڈیرا، مترجم ارشد وحید، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء
۱۱۱۔ اُردو ناول اور استعماریت، محمد نعیم، کتاب محل، لاہور، ۲۰۱۷ء
۱۱۲۔ ناول کا نیا جنم، خرم سہیل، رنگ ادب، کراچی، ۲۰۱۷ء
۱۱۳۔ اُردو فکشن کا مطالعہ، صاحب علی، فکشن ہاوس، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۱۴۔ پاکستانی اُردو ناول میں عصری تاریخ، شاہد نواز، شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا، ۲۰۱۸ء
۱۱۵۔ اردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ، ریاض ہمدانی، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۱۶۔ اردو ناول میں مابعد الطبیعاتی عناصر، راحیلہ لطیف، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۱۷۔ اُردو ناول، آزادی ہند کے تناظر میں، نوشاد کامران، دارالاشاعت مصطفائی، دہلی، ۲۰۱۸ء
۱۱۸۔ تین نئے ناول نگار، روبینہ سلطان، دستاویز مطبوعات، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۱۹۔ اُردو ناول کی شعریات، جہانگیر احمد، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء
۱۲۰۔ ناول کا نیا فن، آصف فرخی، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۸ء
۱۲۱۔ اردو ناول: تاریخ و ارتقا، اشرف کمال، رنگ ادب، کراچی، ۲۰۱۸ء
۱۲۲۔ اردو ناول کی پیش رفت، منصور خوشتر، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۸ء

۱۲۳۔ اردو ناول کا ارتقا، اسلم آزاد، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۲۴۔ تاریخ، تہذیب اور انتظار حسین، فرید حسینی، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۸ء
۱۲۵۔ اردو ناول کا ثقافتی مطالعہ، محمد نعیم ورک، عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء
۱۲۶۔ اُردو ناول اور مہاجرین کے مسائل، عابدہ نسیم، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۱۹ء
۱۲۷۔ جدید اردو ناول، شاعر علی شاعر، عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء

ذیل میں شخصیات/ ناول نگاروں پر لکھی جانے والی کتابوں کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

۱۔نذیریات

نذیر شناسی کے سلسلے کی پہلی کتاب ''اُردو کا پہلا ناول نگار'' از اویس احمد ادیب ہے۔ یہ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی جس میں نذیر احمد کے ناول ''مراۃ العروس'' ۱۸۶۹ء کو اُردو کا پہلا ناول قرار دیا ہے۔ اُنھوں نے نذیر احمد کی سوانح مرتب کرنے کے بعد اُن کے ناولوں کا موضوع، پلاٹ، کردار، مقاصد، مکالمہ، فلسفہ حیات، اسلوب بیان، ظرافت اور مبالغہ کے حوالے سے جائزہ لیا ہے۔ افتخار احمد صدیقی کی کتاب ''نذیر احمد، احوال و آثار'' ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی جس میں نذیر احمد کی ناول نگاری کی ادوار بندی کی گئی ہے۔ اُن کے نزدیک نذیر احمد معاشرتی ناولوں میں: فسانۂ مبتلا اور ایامی میں واقعاتی، حقیقت پسندانہ اور متوازن انداز ملتا ہے لیکن مقصد اور فن میں ہر جگہ توازن قائم رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اشفاق احمد اعظمی کی کتاب ''نذیر احمد شخصیت اور کارنامے'' ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی۔ اشفاق احمد خاں کی کتاب ''نذیر احمد کے ناول'' ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ نذیر احمد کے ناولوں کے تحقیقی وتنقیدی مطالعہ پر مبنی ہے۔ وہ انھیں کٹر مولوی قرار نہیں دیتے بلکہ مفکّر، مدبر اور مستقبل کے دانشور سمجھتے ہیں۔ اس کتاب میں نذیر احمد کے ناولوں کے موضوعات، فن، کردار نگاری اور اسلوب کے ساتھ ساتھ خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس بات کی نشان دہی بھی کی ہے کہ سرسید اور نذیر احمد میں اختلافات کے باوجود قومی خدمت میں کندھے سے کندھا ملانے کا اظہار ملتا ہے۔ نذیر احمد پر ایک کتاب نورالحسن نقوی نے ۱۹۸۴ء میں تحریر کی۔ ''نذیر احمد کی ناول نگاری''

اعجاز علی ارشد کی کتاب ہے جو ۱۹۸۴ء میں ہی شائع ہوئی جس میں نذیر احمد کے احوال و آثار کی ترتیب کے ساتھ ساتھ ناولوں میں نقطہ نظر اور اسلوب کا خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے نذیر احمد کی ناول نگاری کی نئی ادوار بندی کی ہے اور مراۃ العروس و بنات النعش کے ماخذات کی نشان دہی بھی کی ہے۔ وہ ابن الوقت کو تمثیل نہیں سمجھتے۔ ''نذیر احمد کی ناول نگاری'' کے عنوان سے ڈاکٹر انیس ناگی کی کتاب ۱۹۸۸ء میں سامنے آئی جس میں انھوں نے نذیر احمد کے ناولوں کے موضوعاتی دائرے متعیّن کرنے کی کوشش کی ہے۔

نذیریات کے حوالے سے کتابوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ اُردو کا پہلا ناول نگار، اویس احمد ادیب، ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۳۴ء
۲۔ نذیر احمد کی ناول نگاری، بشیر محمد اختر، مکتبہ علم، فیصل آباد، ۱۹۶۶ء
۳۔ نذیر احمد۔ احوال و آثار، افتخار احمد صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء
۴۔ نذیر احمد۔ شخصیت اور کارنامے، اشفاق احمد اعظمی، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۷۴ء
۵۔ نذیر احمد کے ناول، اشفاق محمد اعظمی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ۱۹۷۹ء
۶۔ نذیر احمد۔ ہندوستانی ادب کے معمار، نور الحسن نقوی، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۸۰ء
۷۔ نذیر احمد کے ناول، اعجاز علی ارشد، دی آرٹ پریس، پٹنہ، ۱۹۸۴ء
۸۔ نذیر احمد کی ناول نگاری، انیس ناگی، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۸ء
۹۔ نذیر احمد کے ناولوں کے نسوانی کردار، زینت بشیر، ۱۹۹۱ء
۱۰۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں مذہبی کردار، قاضی حبیب، چغتائی پبلی کیشنز، مدارس، ۲۰۰۰ء
۱۱۔ ڈپٹی نذیر احمد اور چندوسنین کے ناولوں کا تقابلی مطالعہ، صفیہ بی بی، سنسکرت یونیورسٹی، کاڈوی، ۲۰۰۴ء
۱۲۔ نذیر احمد کے ناول اور ہندوستانی معاشرہ، عبدالقیوم، ہند بک ڈپو، پٹنہ، ۲۰۰۵ء

شرریات

''شرر کے تاریخی ناول'' ممتاز بنگلوری کی تصنیف ہے جو ۱۹۷۸ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اُنھوں نے شرر کے تمام ناولوں کا تحقیقی تجزیہ کیا ہے اور واقعات کی صحت کا تعین بھی کیا

ہے۔ وہ شرر کے مکالموں کو عصری روح کے مطابق قرار دیتے ہیں لیکن کردار کی مطابقت سے تہی سمجھتے ہیں۔ علی احمد فاطمی کی کتاب ''عبدالحلیم شرر بہ حیثیت ناول نگار'' ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ جس میں شرر کے عہد کے سیاسی پس منظر، سوانح اور نگارشات کی تفصیل کے بعد تاریخی ناولوں کے پلاٹ اور کردار پر بحث کی گئی ہے۔ معاشرتی اور خاندانی اصلاح پر مبنی ناولوں پر الگ سے لکھا گیا ہے اور ایسے ناولوں کو کمزور ناول گردانا گیا ہے۔ وہ انھیں صرف تاریخی ناول نگار مانتے ہیں۔ شریف احمد کی کتاب ''عبدالحلیم شرر، شخصیت اور فن'' ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی جس میں شرر کے تاریخی ناولوں کا سبب ہنگامی ناولوں کے تراجم کو قرار دیا گیا ہے۔ شرر شناسی پر مبنی کتب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ شرر کے تاریخی ناول، ممتاز بنگلوری، مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور، ۱۹۷۸ء
۲۔ انیسویں صدی میں ناول نگاری اور شرر، پروفیسر عبدالسّلام، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء
۳۔ عبدالحلیم شرر بہ حیثیت ناول نگار، علی احمد فاطمی، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۶ء
۴۔ عبدالحلیم شرر، ہندوستانی ادب کے معمار، جعفر رضا، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۸۸ء
۵۔ عبدالحلیم شرر، شخصیت اور فن، شریف احمد، گوہر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء

سرشار شناسی

لطیف حسین ادیب کی کتاب ''سرشار کی ناول نگاری'' ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی جس میں سرشار کی ناول نگاری کے ساتھ ساتھ نذیر کے ساتھ تقابل بھی کیا گیا ہے۔ سرشار کے ناولوں میں تصورِ عشق پر سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ اس کے علاوہ اُن کے نزدیک تکنیک کے اعتبار سے ''جام سرشار'' عمدہ ناول ہے۔ پریم پال رشک کی مختصر کتاب ''سرشار ایک مطالعہ'' کے عنوان سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۷۸ء میں تبسّم کاشمیری نے ''فسانہ آزاد: تنقیدی تجزیہ'' کے عنوان سے کتاب تحریر کی۔ وہ سرشار کے اسلوب کو ان کے ثقافتی ادراک سے وابستہ کرتے ہیں۔ آزاد کو عبوری دنیا کا ہیرو اور خوجی کو ماضی کی علامت قرار دیتے ہیں اس طرح وہ فسانہ آزاد کو دو دُنیاؤں سے عبارت کہتے ہیں۔

سرشارشناسی کے حوالے سے کتب کی تفصیل دیکھیے:

۱۔ سرشار کی ناول نگاری، لطیف حسین ادیب، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۵۸ء
۲۔ سرشار ایک مطالعہ، پریم پال اشک، آزاد کتاب گھر، نئی دہلی، ۱۹۶۴ء
۳۔ فسانہ آزاد: تنقیدی تجزیہ، تبسّم کاشمیری، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۷۸ء
۴۔ رتن ناتھ سرشار۔ مصباح الحسن قیصر، مکتبہ دین وادب، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء
۵۔ رتن ناتھ سرشار، ہندوستانی ادب کے معمار، قمر رئیس، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء
۶۔ لکھنؤ اور سرشار کی دُنیا، فیروز مکرجی، سٹی بک پریس، ۲۰۰۰ء
۷۔ رتن ناتھ سرشار: حیات اور کارنامے، ثریا جہاں مظہری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۷ء

پریم چند شناسی

پریم چند کی ناول نگاری پر لکھی گئی مکمّل کتب کا مطالعہ کیا جائے تو پہلی کتاب پروفیسر قمر رئیس کی ''پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بہ حیثیت ناول نگار'' ۱۹۵۹ء میں سامنے آئی جس میں پریم چند کی ناول نگاری کو ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے پریم چند کے ناقدین مثلاً ڈاکٹر شرما کے خیالات سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ناول کے پس منظر اور فنی بنت کاری پر تفصیلی بحث سامنے آتی ہے۔ پریم چند پر سوانحی باب، اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر یوسف سرمست کی کتاب ''پریم چند کی ناول نگاری'' ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ پریم چند کے ناولوں میں ہندوستان کی سیاسی، تاریخی، سماجی، معاشی اور معاشرتی زندگی کے پس منظر کو اُجاگر کیا ہے اور پریم چند کے ناولوں اور اس عہد کی تاریخ کا تقابلی مطالعہ بھی نمایاں ہوا ہے۔ اس کتاب میں پریم چند کے ناولوں پر اعتراضات اور کمزوریوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ وہ انھیں ہندوستان کا بالزاک قرار دیتے ہیں۔ پریم چند کے ناولوں پر مکمّل کتب کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، بحیثیت ناول نگار، قمر رئیس، سرسید بک ڈپو، علی گڑھ، ۱۹۵۹ء
۲۔ پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار، شمیم نکہت، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء
۳۔ پریم چند، سماجی اور سیاسی ناول، عبدالسّلام، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء

۴۔ پریم چند کی ناول نگاری، یوسف سرمست، الیاس ٹریڈرز، حیدر آباد، ۱۹۸۶ء
۵۔ پریم چند کے ناولوں میں خواتین کے مسائل کی عکاسی، سیما فاروقی، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۹۵ء
۶۔ پریم چند کی ناول نگاری، ایک تنقیدی جائزہ، سید جلال الدین، دکن ٹریڈرز، حیدر آباد، ۲۰۰۱ء

کرشن چندر فہمی

کرشن چندر کے ناولوں پر پہلی مکمّل کتاب حیات افتخار نے ''کرشن چندر کے ناولوں میں ترقی پسندی'' کے عنوان سے ۱۹۸۲ء میں لکھی۔ اُنھوں نے کرشن چندر کے ناولوں میں ادب، مذہب، خدا پرستی، فسادات، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، مساوات، آزادیِ رائے اور عورت کا ترقی پسند تناظر میں تجزیہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اُن کے ناولوں میں جاگیردارانہ وسرمایہ دارانہ استحصال اور طبقاتی کشمکش کو بھی نمایاں کیا ہے۔ ماہ نور زمانی کی کتاب ''کرشن چندر کے ناولوں میں نسوانی کردار'' ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ اس مختصر کتاب میں کرشن چندر کے عورت کے بارے میں تصوّرات، ناولوں کے تناظر میں واضح کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کے نسوانی کرداروں کی درجہ بندی بھی کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالسّلام صدیقی کی کتاب ''کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سماجی ثقافتی پس منظر میں)'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ کرشن چندر کے ناولوں کو معاشرتی، تہذیبی، دیہی، شہری، قومی اور طبقاتی اقدار کے تناظر میں پرکھنے کے ساتھ ساتھ ناولوں کا فکری وفنی محاکمہ بھی کیا گیا ہے جس میں؛ پلاٹ کے ماخذ، طبقاتی، ارتقائی، مثالی کرداروں، منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور اسلوب کی خصوصیات شامل ہیں۔ کرشن چندر کے ناولوں پر مکمّل کتب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ کرشن چندر کی ترقی پسندی (ناولوں کی روشنی میں)، شفیق احمد اشرفی، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۶ء
۲۔ کرشن چندر کے ناولوں میں نسوانی کردار، ماہ نور زمانی بیگم، شعبہ اُردو، بنگلور یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء
۳۔ کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ، عبدالسّلام صدیقی، انجمن ترقی اُردو، دہلی، ۲۰۰۴ء

۴۔ کرشن چندر کی ناول نگاری اور نسائی کردار، مہ جبیں انجم، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء

۵۔ کرشن چندر کے ناول: تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، آنسہ سعید احمد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۳ء

۶۔ کرشن چندر کے نسوانی کردار: ناولوں کے حوالے سے، شمشاد جہاں، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء

قرۃ العین حیدر شناسی

قرۃ العین حیدر بہ طور ناول نگار مطالعے کی روایت بھی اُردو ناول کی تنقید کو ثروت مند بناتی ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ۱۹۷۸ء میں ''شعور کی رو اور قرۃ العین حیدر'' مرتب از ہارون ایوب سامنے آئی۔ اس مختصر کتاب میں قاضی عبدالستار، عبدالسّلام اور یوسف سرمست کے شعور کی رو کی تکنیک پر مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ہارون ایوب نے آگ کا دریا کا شعور کی رو کے حوالے سے مطالعہ کیا ہے۔ رضیہ سجاد ظہیر نے قرۃ العین کی ناول نگاری کا تجزیہ کیا ہے۔ پروفیسر عبدالسّلام کی کتاب ''قرۃ العین حیدر اور ناول کا جدید فن'' ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ اس مختصر کتاب میں ناول کے جدید فن اور تکنیکوں کی روشنی میں قرۃ العین حیدر کے ناولوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ آگ کا دریا کے موضوع کو پیچیدہ اور منصوبہ بندی کو ناقص اور غیر متوازن قرار دیتے ہیں البتہ اس کی فکر پسندی اور قوتِ بیانیہ میں، اس کی عظمت کو پوشیدہ سمجھتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر کا فن از عبدالمغنی ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی جس میں کردار نگاری اور اسلوب نگارش کے انفرادی مطالعے کے بعد ناولوں اور افسانوی مجموعوں کا الگ الگ تجزیہ کیا گیا ہے۔ خورشید انور کی کتاب ''قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں تاریخی شعور'' ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اُن کے نزدیک ڈرامے لکھنے والوں نے تاریخی واقعات اور کرداروں کو موضوع بنایا ہے جب کہ قرۃ العین حیدر نے تاریخی شعور کو بنیاد بنایا ہے۔ وقت خطِ مستقیم میں چلتا ہے اسی لیے قرۃ العین کے کردار آنے والے کل سے خوف زدہ ہیں۔ ''آگ کا دریا'' کو پہلا ناول قرار دیتے ہیں جس میں ہمہ گیر تاریخی شعور موجود ہے۔ یہ ناول قدیم ہندوستانی تہذیب کی عظمت کا خراج ہے۔ ''آخر شب کے ہم سفر'' کی ایک

تاریخی خامی کی جانب بھی اشارہ کرتے ہیں کہ بنگال کی تحریک ''تبھا گا تحریک'' کا اس ناول میں ذکر مفقود ہے۔قرۃ العین کے ناولوں میں ہندوستان کی تہذیب مسلسل تغیّرات اور تہذیبوں کی مسلسل آمیزش کا روپ ہیں۔ مذکورہ کتاب قرۃ العین حیدر کے ناولوں پر لکھی جانے والی کتب میں منفرد مقام و مرتبہ کی حامل ہے۔اعجاز الرحمٰن کی کتاب ''تانیثیت اور قرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار'' ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی جو موضوع کے حوالے سے منفرد تالیف ہے۔تانیثیت کے عالمی، ہندوستانی اور ادبی تناظر کی وضاحت کے بعد، قرۃ العین کی شخصیت اور فکر سے اُبھرنے والے تصور نسائیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔اس کتاب میں چار ناولٹوں کے نسوانی کرداروں کا الگ الگ مطالعہ کرتے ہوئے ان کے ناولوں پر تانیثی تحریک کے اثرات کی نشان دہی کی گئی ہے۔قرۃ العین حیدر کے فن پر دو اہم کتابیں مرتب بھی ہوئیں ہیں۔ان میں قرۃ العین حیدر۔ایک مطالعہ مرتب از ارتضیٰ کریم، ۱۹۹۲ء میں اور قرۃ العین حیدر۔خصوصی مطالعہ مرتب از سید عامر سہیل ۲۰۰۷ء میں سامنے آئیں۔ یہ دونوں کتب اپنی ترتیب اور حسن انتخاب کے حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔قرۃ العین حیدر کے ناولوں کے حوالے سے کتب کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

۱۔ شعور کی رو اور قرۃ العین حیدر، ہارون ایوب، اُردو پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء

۲۔ قرۃ العین حیدر اور ناول کا جدید فن، عبدالسّلام، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء

۳۔ قرۃ العین حیدر کا فن، عبدالغنی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء

۴۔ قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری، شہنشاہ مرزا، شمس مرزا پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۹ء

۵۔ قرۃ العین حیدر، تشخّص کی تلاش میں، امجد طفیل، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، لاہور، ۱۹۹۱ء

۶۔ قرۃ العین حیدر۔ایک مطالعہ، مرتب ارتضیٰ کریم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء

۷۔ قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں تاریخی شعور، خورشید انور، انجمن ترقی اُردو، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء

۸۔ آگ کا دریا: تفہیم و تجزیہ، ایوب خاں، لٹریری فورم، میلر کوٹلہ، ۱۹۹۴ء

۹۔ قرۃ العین حیدر۔ایک مطالعہ، محی الدین بمبئی والا، اُردو ساہتیہ اکادمی، گجرات، ۱۹۹۹ء

۱۰۔ قرۃ العین حیدر۔تحریروں کے آئینے میں،اختر سلطانہ،مکتبہ شعروحکمت،حیدر آباد،۲۰۰۵ء
۱۱۔ قرۃ العین۔خصوصی مطالعہ،مرتب سید عامر سہیل،بیکن بکس ملتان،ملتان،۲۰۰۵ء
۱۲۔ چاندنی بیگم،ایک جائزہ،انوارالحق،ایم آر پبلی کیشنز،نئی دہلی،۲۰۰۷ء
۱۳۔ قرۃ العین حیدر،شخصیت اورفن،مرتب صاحب علی،شعبہ اُردو،بمبئی یونیورسٹی،۲۰۰۸ء
۱۴۔ قرۃ العین حیدر کے تعبیراتی تین ناول،گل صبا،شاہد پبلی کیشنز،دہلی،۲۰۰۸ء
۱۵۔ قرۃ العین حیدر،اردو فکشن کے تناظر میں،مرتب،ممتاز احمد خاں،انجمن ترقی اردو،کراچی،۲۰۰۹ء
۱۶۔ تانیثیت اورقرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار،اعجاز الرحمٰن،عرشیہ پبلی کیشنز،دہلی،۲۰۱۰ء
۱۷۔ آگ کا دریا۔ایک مطالعہ،عبداللہ جاوید،اکادمی بازیافت،کراچی،۲۰۱۳ء
۱۸۔ قرۃ العین حیدر کا تصور تاریخ وتہذیب،رحمت علی شاد،الوقار پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۶ء

عزیز احمد شناسی

عزیز احمد کے ناولوں کے اختصاصی مطالعے کے حوالے سے اہم ناقدین میں؛ سلیمان اطہر جاوید،سیدّہ عاصمہ،اسلم آزاد،طاہرہ سرور،طیب علی،سمیع الرحمان،اسلم فاروقی اورحمیرا اشفاق کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔سلیمان اطہر جاوید اوراسلم آزاد نے عزیز احمد کے ناولوں کا مجموعی جائزہ لیا ہے۔سیدہ عاصمہ نے عزیز احمد کے ناولوں کا تہذیبی مطالعہ پیش کیا ہے۔سمیع الرحمٰن نے عزیز احمد کے ناول ''گریز''،طیب علی نے ''ایسی بلندی ایسی پستی'' اورطاہرہ سرمد نے ''آگ'' کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔اسلم فاروقی نے عزیز احمد کی ناول نگاری کا مجموعی جائزہ ۲۰۱۵ء میں پیش کیا ہے۔ان کی کتاب ''عزیز احمد کی ناول نگاری کا تنقیدی مطالعہ'' ہے۔اُنھوں نے ''گریز'' اور ''مرمراورخون'' کو طالب علمانہ کاوش کہا ہے اور اِن ناولوں پر انگریزی ناولوں کے اثرات تلاش کیے ہیں۔عزیز احمد کے گمنام ناول ''بُرے لوگ'' کے تحقیقی و تنقیدی مطالعے میں مقامی اثرات کی نشان دہی کی ہے۔اس کے علاوہ ایک اورگمنام ناول ''تری دلبری کا بھرم'' کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔حمیرا اشفاق نے عزیز احمد کے ناولوں کا تہذیبی و تاریخی مطالعہ پیش کیا ہے۔اُن کی کتاب ''عزیز احمد: ادب،تاریخ اورتہذیب'' ۲۰۱۵ء میں

شائع ہوئی۔

عزیز احمد کے ناولوں کے تفصیلی مطالعے پر مبنی کتاب کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ عزیز احمد کی ناول نگاری، سلیمان اطہر جاوید، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء
۲۔ عزیز احمد کے ناولوں میں تہذیبی زندگی کی عکاسی، سیدہ عاصمہ، مسز سیدہ عاصمہ پبلشرز، دہلی، ۱۹۹۱ء
۳۔ عزیز احمد کی ناول نگاری، نزہت سمیع الزماں، دانش محل لکھنؤ، ۱۹۹۱ء
۴۔ عزیز احمد: شخصیت اور فن، اعجاز حنیف، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء
۵۔ عزیز احمد بحیثیت ناول نگار، اسلم آزاد، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء
۶۔ عزیز احمد کی ناول نگاری: ایسی بلندی ایسی پستی کا خصوصی مطالعہ، طبیب علی، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء
۷۔ عزیز احمد کے ناول ''گریز'' کا تنقیدی مطالعہ، سمیع الرحمان، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء
۸۔ عزیز احمد کے ناول ''آگ'' کا تجزیاتی مطالعہ، طاہرہ سرور، اکادمیات، لاہور، ۲۰۱۱ء
۹۔ عزیز احمد کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ، اسلم فاروقی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۱۰۔ عزیز احمد: ادب، تاریخ، تہذیب، حمیرا اشفاق، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء

عصمت چغتائی شناسی

عصمت چغتائی کے ناولوں پر مکمّل کتب لکھنے والوں میں ؛عشرت آرا سلطانہ، پروفیسر عبدالسّلام، شبنم رضوی اور فرزانہ کوکب شامل ہیں۔عشرت آرا سلطانہ نے عصمت چغتائی کے ناولوں کا سماجی تناظر اور پروفیسر عبدالسّلام نے نفسیاتی تناظر میں مطالعہ کیا ہے۔ شبنم رضوی نے عصمت کے ناول ''ٹیڑھی لکیر'' کے پلاٹ، کردار نگاری، نفسیاتی الجھنوں، فلسفہ حیات اور اسلوب کا مطالعہ کیا ہے۔فرزانہ کوکب نے عصمت چغتائی کا احتجاج اور بغاوت کے تناظر میں تجزیہ کیا ہے۔عصمت چغتائی کے حوالے سے کتب کی تفصیل دیکھیے:

۱۔ عصمت کا سماجی شعور ناولوں کی روشنی میں، عشرت آرا سلطانہ، بک امپوریم، پٹنہ، ۱۹۸۶ء
۲۔ عصمت چغتائی اور نفسیاتی ناول، عبدالسّلام، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء
۳۔ عصمت چغتائی کی ناول نگاری، شبنم رضوی، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۹۲ء
۴۔ عصمت چغتائی: روایت شکنی سے روایت سازی، فرازنہ کوکب، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۸ء

دیگر ناول نگاروں پر الگ سے مکمّل کتب بھی خاصی تعداد میں شائع ہوئی ہیں۔ جن میں مرزا ہادی رسوا، خدیجہ مستور، بانو قدسیہ، جنید بانو، ممتاز مفتی، عبد اللہ حسین، غضنفر جوگندر پال وغیرہ شامل ہیں۔ان کتب کی تفصیل حسب ذیل ہیں:

۱۔ مرزا رسوا: سوانح حیات اور ادبی کارنامے، میمونہ انصاری، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۳ء
۲۔ مرزا رسوا: حیات اور ناول نگاری، آدم شیخ، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۶۸ء
۳۔ رسوا کی ناول نگار، ظہیر فتح پوری، حروف پبلشرز، راولپنڈی، راولپنڈی، ۱۹۷۰ء
۴۔ مرزا رسوا اور تہذیبی ناول، پروفیسر عبدالسّلام، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء
۵۔ احسن فاروقی اور ڈرامائی ناول، پروفیسر عبدالسّلام، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء
۶۔ آنگن۔ایک تنقیدی جائزہ، اسلم آزاد، اُردو رائٹرز گلڈ، الٰہ آباد، ۱۹۸۷ء
۷۔ عزمی دہلوی۔حیات و ناول نگاری، خالد اشرف، اُردو مجلس، نئی دہلی، ۱۹۸۷ء
۸۔ نسیم حجازی ایک مطالعہ، تصدق حسین راجہ، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۰۸۷ء
۹۔ رسوا۔ایک مطالعہ، مرتبہ میمونہ انصاری، مکتبہ لائبریری، لاہور، ۱۹۸۸ء
۱۰۔ امراؤ جان ادا: ایک خصوصی مطالعہ، شاہد جمیل، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء
۱۱۔ فضل احمد کریم فضلی اور ان کا فن، سید جاوید اقبال، قصر الادب، حیدر آباد، ۱۹۹۲ء
۱۲۔ سجاد ظہیر، لندن کی ایک رات: خصوصی مطالعہ و تجزیہ، فیروز دہلوی، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۹۶ء
۱۳۔ ممتاز مفتی: فکشن نگار، نذیر احمد، دستاویز مطبوعات، لاہور، ۱۹۹۶ء
۱۴۔ اُردو ناول اور خدیجہ مستور کا انسانی نقطۂ نظر، نسرین ترنم، ایجوکیشنل فلم سنٹر، پٹنہ، ۱۹۹۸ء

۱۵۔ صالحہ عابد حسین، حیات اور ناول نگاری، ہمایوں ظفر، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، ۱۹۹۸ء
۱۶۔ جیلانی بانو کی ناول نگاری کا تنقیدی مطالعہ، مشرف علی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء
۱۷۔ بانو قدسیہ، شخصیت اور فن، عفت افضل، مکتبہ جلیسان ادب، حیدر آباد، ۲۰۰۳ء
۱۸۔ جدید اُردو ناولوں میں جوگندر پال کا حصہ، ابوسعید حشمت، گلبر گہ یونیورسٹی، گلبر گہ، ۲۰۰۶ء
۱۹۔ شوکت صدیقی: شخصیت اور فن، انوار احمد، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء
۲۰۔ محمد خالد اختر: شخصیت اور فن، اشفاق احمد ورک، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء
۲۱۔ ممتاز مفتی کا فکری ارتقا، نجیبہ عارف، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۷ء
۲۲۔ جمیلہ ہاشمی کا افسانوی ادب، اسلم سروہی، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء
۲۳۔ غضنفر کی ناول نگاری، اسلم صبوحی،، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء
۲۴۔ عبداللہ حسین: شخصیت اور فن، محمد عاصم بٹ، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء
۲۵۔ بانو قدسیہ: شخصیت اور فن، انور سدید، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
۲۶۔ انیس ناگی: شخصیت اور فن، شاہین مفتی، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء
۲۷۔ خدیجہ مستور: شخصیت اور فن، تاج بیگم فرخی، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۲۸۔ غلام الثقلین نقوی: شخصیت اور فن، انور سدید، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۲۹۔ حجاب امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن، غفور شاہ قاسم، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۳۰۔ ایک جدید ناول نگار: جیلانی بانو، جاوید عالم، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء
۳۱۔ افسانوی ادب میں خدیجہ مستور کا مقام، راشدہ قاضی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء
۳۲۔ ابنِ صفی کے جاسوسی ناولوں میں طنز و مزاح، مناظر عاشق ہرگانوی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء
۳۳۔ شاد عظیم آبادی کے ناول ''صورۃ الخیال'' کا مختصر ایڈیشن اور ایک جائزہ، اشرف جہاں، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء
۳۴۔ کئی چاند تھے سر آسماں: ایک تجزیاتی مطالعہ، رشید اشرف خاں، براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء

۳۵۔ شفیق بحیثیت ناول نگار، امتیاز احمد علیمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۳۶۔ حسن منظر: ادبی خدمات، مہروز لغاری، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۱۴ء
۳۷۔ جوگندر پال کی ناولٹ نگاری، جہانگیر احمد، البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۳۸۔ عبداللہ حسین۔ایک مطالعہ، مرتب سید عامر سہیل، کوپرا، لاہور، ۲۰۱۵ء
۳۹۔ ممتاز مفتی: حیات اور ادبی خدمات، ریحان حسن، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۴۰۔ عبداللہ حسین: تخلیقی سفر کی نصف صدی، احمد سلیم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء
۴۱۔ راجہ گدھ: تنقیدی جائزہ، غلام حسین بخاری، بک ہوم، لاہور، ۲۰۱۷ء
۴۲۔ مرزا رسوا کے ناولوں کے نسوانی کردار، توحید خاں، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۷ء
۴۳۔ راجندر سنگھ بیدی کی ناول نگاری، پرویز شہریار، دارالاشاعت مصطفائی، نئی دہلی، ۲۰۱۷ء
۴۴۔ اُردو ناول میں مذہبی عناصر اور بانو قدسیہ، نواز کنول، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۸ء
۴۵۔ طاہرہ اقبال کا ناول ''نیلی بار'': تفہیم و تجزیہ، کرن ریاض، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۸ء
۴۶۔ مستنصر حسین تارڑ، شخصیت اور فن، غفور شاہ قاسم، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۸ء

افسانہ: مبادیات اور انتقاد

افسانہ، ایسا فرضی قصہ ہے جو مختصر، دلچسپ اور زندگی کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالے اور اسے ایک نشست میں پڑھا جا سکے۔ ایک خاص واقعہ، ایک خاص کردار اور واحد ڈرامائی واقعے کو اُبھارتا ہے۔ ایک واقعہ، ایک خیال، ایک تجربہ، ایک حساس جو مختصر اور وحدت تاثر کا حامل ہو۔ وحدت تاثر، افسانے کی بنیادی شرط ہے۔ وحدت تاثر سے مراد یہ ہے کہ افسانہ قاری کے ذہن پر ایک مجتمع اثر چھوڑے۔ وحدت تاثر کے لیے ضروری ہے کہ واقعہ دلچسپ اور مختصر ہو۔ افسانے کی دیگر خصوصیات اور اجزا میں پلاٹ اہم ہے۔ واقعے میں منطقی ربط، سادگی اور دلچسپی ہونا ضروری ہے۔ پلاٹ کے اجزا؛ آغاز، وسط اور انجام ہیں۔ آغاز مختصر، دل کش اور پُرتاثیر ہو۔ وسط کے حصہ میں بناوٹ نہ ہو اور انجام غیر متوقع، اچانک، فرسودہ نہ ہو بلکہ فطری، مختصر، سادہ اور کرداروں کے ذریعے ہو۔ ابتدائی افسانوں میں پلاٹ کو اہمیت دی جاتی تھی بعد ازاں کردار نگاری پر زور دیا جانے لگا۔ کرداروں کے بیان میں لباس، زیورات کی تفصیل کم ہو یا اشارتی ہو، نمایاں خصوصیات واقعے کا بیان یا مصنّف کی زبان سے مختصراً اجاگر ہونا چاہیے۔ کردار کے مختلف پہلو رفتہ رفتہ سامنے آئیں، کردار کے ارتقا میں تبدیلی کا سبب بھی بیان کیا جائے۔ کردار کی قلبی حالت کا بیان بھی ہونا چاہیے۔ کردار، زمانہ، ماحول کے مطابق، کردار کی گفتگو، موقع محل کے مطابق ہو۔ مکالمے مختصر

ہوں، کرداروں کی ذہنی کیفیات، جذبات کی بلندی وپستی کا پتہ دیتے ہوں، مخصوص طبقہ کی گفتگو، اس طبقے کی نمائندہ ہو، مکالمے، کرداروں کے سن وسال سے مطابقت رکھتے ہوں اور لب ولہجہ فطری ہونا چاہیے۔ افسانے میں نقطہ نظر کی بھی اہمیت ہے۔ مصنّف افسانے کے موضوع کے حوالے سے اپنی رائے یا نقطۂ نظر اشاروں، کنایوں میں بیان کرتا ہے۔ اس کے لیے بعض اوقات افسانہ نگار اپنے بیانیے یا کسی کردار کی زبان سے یا کرداروں کے عمل کے انجام سے اپنا نقطہ نظر سامنے لاتا ہے۔ افسانے میں اسلوب کے حوالے سے رومانی، حقیقت پسندانہ اور علامتی اسلوب رائج رہے ہیں۔ الفاظ اور تفصیلات میں کفایت شعاری برتی جاتی ہے۔ بیانیہ کے طریقوں میں واحد غائب، واحد متکلّم کے صیغوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ رمزیت وایمائیت، طنز، محاورہ، ضرب المثل، تشبیہات واستعارات کا استعمال بھی اسلوب کو جان دار بناتا ہے۔ منظر نگاری کا بیان پس منظر ابھارنے کے لیے، مقام، وقت، موسم کی منظر کشی کی جاتی ہے۔ صفات کے بیان کی بجائے اشیا کو بیان کیا جاتا ہے۔ کہانی کے کردار کی نفسیات کی عکاسی کے لیے منظر نگاری میں تشبیہات واستعارات کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔

داستان، ناول اور افسانے، کہانی کی مختلف شکلیں ہیں۔ داستان، طویل، فرضی، ضمنی قصوں پر مشتمل، محیر العقول واقعات، مافوق الفطرت عناصر اور تخیلاتی و طلسمی فضا پر مبنی ہوتی ہے۔ ناول، فرضی کرداروں کی زندگی کی مکمّل عکاسی کرتا ہے۔ واقعات حقائق پر مبنی، کرداروں میں فطری ارتقا، چھوٹے چھوٹے قصے پلاٹ سے مربوط ہوتے ہیں۔ افسانہ، زندگی کے کسی ایک پہلو کی عکاسی ایجاز واختصار کے پیرائے میں کرتا ہے۔ ناول زندگی کے پورے کینوس کی تصویر ہے اور افسانہ زندگی کے کسی ایک گوشے یا کسی ایک واقعے کی جھلک دکھاتا ہے۔

اُردو میں راشد الخیری کے افسانہ ''نصیر اور خدیجہ'' ۱۹۰۳ء کو اُردو کا پہلا افسانہ قرار دیا جاتا ہے۔ رومانوی افسانہ نگاروں میں سجاد حیدر یلدرم (خیالستان)؛ آزادیِ نسواں، جدید نظامِ زندگی، محبّت، حسن، مناظر کی تصویر کشی، نیاز فتح پوری (جمالستان ونگارستان)؛

یونانی اساطیر، عورت کی رعنائیاں، مجنوں گورکھپوری (سمن پوش)؛ رومان اور فلسفے کا امتزاج، پلاٹ پر زور، تعلیم یافتہ کردار، قاضی عبدالغفار (تین پیسے کی چھوکری)؛ فلسفہ آمیز رومان، فلسفہ جبر و اختیار، خوف کا فلسفہ، حجاب امتیاز علی (میری نا تمام محبّت اور دوسرے افسانے، صنوبر کے سائے)؛ حسن وسلاست، رومان ورنگین فضا، عجیب وغریب خیالی دنیا، آزادیٔ نسواں، ساغر نظامی؛ یلدرم اور نیاز کے اثرات، ل۔احمد اکبر آبادی؛ دیہات اور شہر میں رومان کے عناصر، نذر سجاد حیدر؛ مردوں کی بے راہ روی، آزادیِ نسواں اور مسز عبدالقادر (صدائے جرس)؛ تخیّل اور ہیبت ناک ماحول کی تخلیق ایسے موضوعات اہم ہیں۔

حقیقت پسند افسانہ نگاروں میں پریم چند (سوز وطن، آخری تحفہ، دودھ کی قیمت)، اصلاح معاشرت، وطنیت کا جذبہ، دیہات نگاری؛ سدرشن؛ شہر کا متوسط طبقہ، سلطان حیدر جوش؛ اصلاح اور طنز، اعظم کریوی؛ دیہات نگاری، علی عباس حسینی (باسی پھول)؛ دیہات نگاری، اختر اورینوی؛ نئے معاشی مسائل، کرشن چندر (طلسم خیال، ان داتا، ہم وحشی ہیں) اختر انصاری، حیات اللہ انصاری (ٹھکانہ)، احمد علی (شعلے، ہماری گلی، قید خانہ)، احمد ندیم قاسمی (چوپال، بگولے، کپاس کا پھول)، عصمت چغتائی (ایک بات، چوٹیں، دو ہاتھ)، راجندر سنگھ بیدی (دانہ ودوام، گرہن، کوکھ جلی) اہم افسانہ نگار ہیں۔نفسیات اور جنسی رمزیت کے رجحان کے حامل افسانہ نگاروں میں سعادت حسن منٹو (دھواں، ٹھنڈا گوشت، آتش پارے)، عزیز احمد (رقص ناتمام، بے کار دن بے کار راتیں)، ممتاز مفتی (اَن کہی، چپ، روغنی پتے)، محمد حسن عسکری (جزیرے، قیامت ہم رکاب آئے نہ آئے)، آغا بابر (اُڑن طشتریاں) شامل ہیں۔طنز وظرافت کے پہلو کے حوالے سے عظیم بیگ چغتائی، شوکت تھانوی، شفیق الرحمٰن اہم ہیں۔خواتین افسانہ نگاروں میں قرۃ العین حیدر، ہاجرہ مسرور، ممتاز شیریں، خدیجہ مستور نے حقیقت پسندی، نفسیات اور تہذیبی عکاسی کو موضوع بنایا۔آزادی کے بعد لکھنے والوں میں غلام عباس، قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، شوکت صدیقی، اے حمید نمایاں نام ہیں۔انتظار حسین، منشا یاد، رشید امجد، سمیع آہوجا، انور سجاد، اسد محمد خاں، نیر مسعود، خالدہ حسین، احمد داؤد،

علامتی افسانہ نگار ہیں۔

اُردو افسانے کی نظری تنقیدی روایت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ سوال سَر اُٹھاتا ہے کہ اس حوالے سے پہلا مضمون کون سا ہے؟ ڈاکٹر ارتضٰی کریم نے اپنی کتاب ''اردو فکشن کی تنقید'' میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے پریم چند کو افسانے کی تنقید کا معمار قرار دے کر اُن کے مضامین کو ہی بنیادی کہا ہے لیکن افسانے کے نظریے کے حوالے سے پہلے مضمون پر تفصیل سے بات نہیں کی۔ اُن کے نزدیک پریم چند کے افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' کا دیباچہ جو ۱۹۰۸ء میں سامنے آیا، پہلا بنیادی مضمون ہے۔ اسے بھی اُردو افسانے کا اتفاق ہی سمجھیے کہ اگر اُردو کا پہلا افسانہ ''نصیر اور خدیجہ از راشد الخیری'' مخزن کے دسمبر ۱۹۰۳ء کے شمارے میں شایع ہوا تو راقم کے نزدیک اُردو افسانے کے نظریے کے حوالے سے پہلا مضمون بھی ''مخزن'' کے مارچ ۱۹۰۳ء کے شمارے میں شایع ہوا جو میر غلام بھیک نیرنگ کا مضمون بہ عنوان ''اُردو زبان اور افسانہ نگاری'' ہے۔ اِس مضمون کی خصوصیت یہ ہے کہ اِس میں سجاد حیدر یلدرم کے ترجمہ شدہ افسانے ''زہرا'' کا تجزیہ کیا گیا ہے اور تجزیے میں افسانے کے مباحث بھی سامنے آئے ہیں اور ترجمہ نگاری کی خصوصیات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

عبدالقادر سروری کو اردو افسانے کے پہلے باقاعدہ نقاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اُن کی دو کتب بہ عنوان ''دُنیائے افسانہ'' اور ''کردار اور افسانہ'' بالترتیب ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۹ء میں شایع ہوئیں اور ''کردار اور افسانہ'' کو اُنھوں نے ''دُنیائے افسانہ'' کا ہی دوسرا حصہ قرار دیا ہے۔ ''دنیائے افسانہ'' میں افسانے کے ارتقا، اقسامِ افسانہ، مختصر قصوں کے فن، منظوم قصے اور نثری افسانے کے علاوہ ناول کی پیدائش، موضوع، عناصر، منازل، خصوصیات، ناول نگار کے فرائض اور اُردو ناول کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ ''کردار اور افسانہ'' میں کردار نگاری، مثنویوں، مرثیوں کے کرداروں کے ساتھ ناول اور داستان کے اہم کرداروں کا تفصیلی تجزیہ بھی کیا ہے۔ عبدالقادر سروری اس کتاب کے ماخذ اور 'کردار' کی اصطلاح کے اردو میں

رائج کرنے والوں کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''دنیائے افسانہ کی اشاعت کے وقت سے اردو افسانہ نویسی کی اس خدمت کا خیال دل نشیں رہا چنانچہ کردار یا سیرت قصہ سے متعلق کچھ مواد بھی فراہم ہو گیا تھا۔ اسی اثنا میں ایک انگریزی کتاب 'دی سٹڈی آف اے ناول' دستیاب ہوئی۔ جس میں ناول کے تمام اہم پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس کے مطالعہ کے بعد اشخاص قصہ اور کردار نگاری سے متعلق جس قدر معلومات اس سے حاصل ہو سکتی تھیں، اخذ کر لیں۔۔۔اشخاص قصہ کی زندگی کے اصول کے لیے ہم نے اپنے مرحوم پروفیسر وحید الدین سلیم کی وضع کردہ اصطلاح 'کردار' کا استعمال بے تکلّف ہر جگہ کیا ہے۔ حالی نے بھی کردار کا لفظ سیرت کے لیے اپنے دیوان میں استعمال کیا ہے۔''[۱]

۱۹۲۷ء سے ۱۹۷۰ء تک پانچ اہم تنقیدی کتب سامنے آتی ہیں جن میں؛ مجنوں گورکھ پوری کی ''افسانہ اور اس کی غایت''، سید وقار عظیم کی ''فنِ افسانہ نگاری'' اور ''داستان سے افسانے تک''، اویس احمد ادیب کی ''اُصولِ افسانہ نگاری'' اور ممتاز شیریں کی ''معیار'' شامل ہیں۔ اِن پانچوں کتب کا تعلّق بھی اردو افسانے کے نظری مباحث سے رہا ہے۔ مجنوں گورکھ پوری ''افسانہ اور اس کی غایت'' میں افسانے میں پلاٹ اور اس کی اقسام، کردار (افراد) اور اس کی اقسام وشرائط، اس کا باطنی مطالعہ اور اسلوب پر بحث کی گئی ہے۔

مجنوں گورکھ پوری کی کتاب ''افسانہ اور اس کی غایت'' کے حوالے سے ڈاکٹر پروین اظہر غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہیں اور اس کتاب کے تقدم و تاخر کے چکر میں پڑ کر اپنے تحقیقی سقم کا ثبوت کچھ یوں چھوڑتی ہیں:

''افسانہ اور اس کی غایت'' کے کچھ عرصے بعد عبدالقادر سروری کی کتاب ''دنیائے افسانہ'' شایع ہوئی۔''[۲]

عبدالقادر سروری کی کتاب ''دُنیائے افسانہ'' انجمن مکتبہ ابراہیمیہ امدادِ باہمی، حیدر آباد دکن سے ۱۹۲۷ء میں شایع ہوئی اور مجنوں گورکھ پوری کی کتاب ''افسانہ اور اس کی غایت'' مکتبہ شاہراہ، دہلی سے ۱۹۳۵ء میں شایع ہوئی۔ نظری تنقید کا ایک اور عمدہ نمونہ سید وقار عظیم کی

''فنِ افسانہ نگاری'' ہے۔سید وقار عظیم نے اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں پہلے دو ایڈیشن اور اُن کے نام بھی درج کیے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ''افسانہ نگاری'' کے عنوان سے ۱۹۳۵ء میں سامنے آیا اور دوسرا ایڈیشن ''فنِ افسانہ نگاری'' ۱۹۴۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔اس کتاب میں افسانے کا موضوع، پلاٹ، سرخی، فضابندی، تمہید اور خاتمہ، سیرت کشی، رومان، حقیقت، مقامی رنگ، اسالیب، نقطۂ نظر، منظر نگاری، مختلف تکنیکیں اور دیگر خصوصیات پر تفصیل سے بحث ہوئی ہے۔سید وقار عظیم کی ایک کتاب کا عنوان ''نیا افسانہ'' ہے۔اس کتاب میں اِسی عنوان سے ایک مضمون بھی شامل ہے۔سید وقار عظیم نے اس مضمون میں نئے افسانے کے مغربی پس منظر، اور نئے افسانے کے مختلف گروہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ان کے نزدیک شعور کی رو کی تکنیک کی بنیادی خصوصیت اختصار ہے جو کم سے کم وقت میں داخلی زندگی اور شعور و لاشعور کی مکمّل تصویروں کو سامنے لے آتا ہے۔ وہ اس تکنیک کے دو فوائد یوں بیان کرتے ہیں:

''اوّل تو موجودہ تجربہ یا واقعہ کی صحیح حیثیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس ایک تجربہ یا واقعہ کے سلسلے میں کردار کی پچھلی زندگی کے بہت سے واقعات ہماری نظر کے سامنے آجاتے ہیں اور ایک محدود وقت میں بھی اس کردار کی سیرت کا مکمّل نقشہ پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ہم اس کردار کی عملی اور ذہنی و نفسیاتی زندگی کے بہت سے اہم اور بامعنی رازوں سے واقف ہو جاتے ہیں اور ذہن اور شعور کی ہر آن بدلتی ہوئی کیفیتوں کی مدد سے کردار کی گزشتہ زندگی کو ایک بہت ہی محدود وقت میں پڑھنے والے کے سامنے لایا جا سکتا ہے۔''[۳]

''اُصولِ افسانہ نگاری'' کے عنوان سے اویس احمد ادیب نے اہم کتاب لکھی۔ اس کتاب کا تذکرہ ڈاکٹر ارتضٰی کریم نے ''اُردو فکشن کی تنقید'' میں افسانوی تنقیدی کتب کے اشاریے میں شامل نہیں کیا اور ڈاکٹر پروین اظہر نے اپنی کتاب ''اُردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید'' نے بھی اس کے مباحث کو درخورِ اعتنا نہیں جانا۔اس کتاب کے دس ابواب میں

اویس احمد ادیب نے افسانہ کی تعریف، سرخی، ابتدا، منتہا، انکشاف اور خاتمہ، موضوع، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ، مقامی رنگ، اختصار، اتحادِ زمان و مکاں، اتحادِ عمل اور افسانے کے مقاصد پر بحث کی ہے۔ ان بنیادی کتب کے علاوہ ایک سنگِ میل کی حامل کتاب ممتاز شیریں کی ''معیار'' سامنے آئی جس کے مضامین نے اردو افسانے کے ناقدین کو نئی راہیں دکھائیں۔ اِس کتاب کے تین مضامین میں تکنیک کے تنوع، اردو افسانے پر مغربی افسانے کے اثرات اور اُردو افسانے کے رجحانات کو سمیٹا گیا ہے۔ اس کتاب کے مضامین سے متعلّق محمد حسن عسکری یوں رائے دیتے ہیں:

> ''پندرہ سال پہلے نئے ادیبوں نے مغربی ادب اور اپنے ادب کو امتزاج دینے کی جو کوشش کی تھی اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ادب کو سمجھنے کے لیے مختلف علوم سے استفادہ کیا جائے۔ اس زمانے کے کے دوسرے ادیبوں کی طرح سماجی عوامل کو تو خیر ممتاز شیریں نے اہمیت دی ہی ہے، لیکن منٹو سے متعلّق مضامین میں انھوں نے جدید نفسیات سے بھی مدد لی ہے۔'' [۴]

۷۰ء کی دہائی میں افسانے کی تنقید کو دیکھا جائے تو قحط کی صورت نظر آتی ہے۔ اِس دہائی میں دو بنیادی کتابیں فردوس فاطمہ نصیر کی ''مختصر افسانہ کا فنی تجزیہ'' اور ڈاکٹر سلیم اختر کی ''افسانہ؛ حقیقت سے علامت تک'' شایع ہوئیں۔ فردوس فاطمہ نصیر کی کتاب میں افسانے کے اجزائے ترکیبی اور فنی مباحث کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۷۵ء میں شایع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سلیم اختر کی افسانوی تنقید اس حوالے سے اہمیت کی حامل ہے کہ اُنھوں نے افسانے کی مبادیات کے ساتھ نفسیات کے عنصر کے حوالے سے اُردو افسانے کا مطالعہ کیا ہے۔ اُنھوں نے اردو کے پہلے جنسی افسانہ کا سُراغ لگایا ہے اور افسانوی تکنیک کے نفسیاتی مطالعے کے ساتھ طویل مختصر افسانے، علامت نگاری اور تجریدیت کے رُجحان اور شعور کی رو، فلیش بیک تکنیک کی بھی وضاحت کی ہے۔

۸۰ء کی دہائی میں چند اہم تنقیدی کتابیں سامنے آئیں جن میں؛ ڈاکٹر نگہت ریحانہ

خان کی ''اردو مختصر افسانہ؛فنی و تکنیکی مطالعہ''،شمس الرحمٰن فاروقی کی ''افسانے کی حمایت میں''، ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کی ''اُردو افسانے کا ارتقا''، ڈاکٹر انوار احمد کی ''اردو افسانہ: تحقیق و تنقید''، ڈاکٹر مجید مضمر کی ''اُردو کا علامتی افسانہ''، اختر انصاری کی ''اُردو فکشن: بنیادی و تشکیلی عناصر''، شہزاد منظر کی ''جدید اُردو افسانہ'' اور سلیم شہزاد کی ''قصہ جدید افسانے کا'' شامل ہیں۔ان میں سے ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان کی کتاب کا تعلّق خالصتاً فنی و تکنیکی مطالعے سے ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی اردو افسانے میں تخلیقی سرفرازی کے ساتھ افسانے کی نظری تنقید میں مرد میدان ہونے کا ثبوت دے چکے ہیں۔اس سلسلے کی بنیادی کڑی ان کی شہرت یافتہ تصنیف ''افسانے کی حمایت میں'' ہے۔اس حمایت میں انھوں نے جن بنیادی تشکیلات،شعریات یا مبادیات کو موضوع بنایا ہے ان میں پلاٹ،کردار،نقطۂ نظر، بیانیہ، کہانی پن، افسانہ اور شاعری کے امتیازات،شعور کی رو، آئرنی،فلیش بیک اور تمثیل نگاری کی تکنیک شامل ہیں۔ انھوں نے مختلف مباحث بیانیہ، پلاٹ، کہانی پن اور کردار نگاری پر چند معروضات اور تحفّظات پیش کیے ہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی نے ایک اور مضمون بہ عنوان ''افسانے میں بیانیہ اور کردار کی کشمکش'' میں ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر محمد حسن اور ڈاکٹر محمد عقیل کے اِس تصور کہ بیانیہ میں کردار کو افضلیت حاصل ہے اور اس بیانیے میں کردار کی داخلی زندگی کی وضاحت کی جاتی ہے اور واقعے کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے، پر یوں اعتراض کیا ہے:

> ''مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ واقعے کو کردار کا اظہار تصور کرنے کا یہ نظریہ بیانیہ کا روایتی نظریہ نہیں ہے اور سچ پوچھیے تو یہ نظریہ بڑی حد تک بیانیہ کی روح کا استحصال و استیصال کر دیتا ہے۔اس کے برخلاف ہمارے نئے افسانے، جن میں کردار کی کوئی خاص اہمیت نہیں، بلکہ جن میں واقعہ ہی تقریباً سب کچھ ہوتا ہے۔ بیانیہ کی اصل روایت سے نزدیک تر ہیں۔۔۔روایتی بیانیہ کی شان واقعات کی کثرت ہے، کردار نگاری نہیں۔'' [۵]

ڈاکٹر مسعود رضا خاکی، اختر انصاری اور ڈاکٹر انوار احمد نے اُردو افسانے کی روایت

کا فکری وفنی مطالعہ پیش کیا ہے۔شہزاد منظر اور سلیم شہزاد کا موضوع جدید افسانے کی مبادیات بنے ہیں۔افسانے کے ثقافتی وسماجی مطالعے کے حوالے سے دو کتابیں سامنے آئیں جن میں عزیز فاطمہ کی ''اُردو افسانہ: ثقافتی وسماجی پس منظر'' اور شکیل احمد کی ''اُردو افسانوں میں سماجی مسائل کی عکاسی'' شامل ہیں۔ترقی پسند تحریک اور افسانے کے تعلّق کے حوالے سے ڈاکٹر محمد صادق کی ''ترقی پسند تحریک اور اُردو افسانہ'' اور خورشید زہرا عابدی کی ''ترقی پسند افسانے میں عورت کا تصور'' سامنے آئیں۔ڈاکٹر محمد صادق نے اُردو افسانے کی ابتدا اور ترقی پسند تحریک کی ابتدا کے وقت کے موضوعات کا احاطہ یوں کیا ہے:

''صنفِ افسانہ کا وجود ایک ایسے دور میں ہوا جب مختلف تحریکات کی بدولت ہندوستانی عوام نمائشی اور مصنوعی زندگی کے خول سے باہر نکلنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ نئی اور پرانی نسل کی ذہنی کشمکش نے بالآخر سیاسی اور سماجی بیداری کے ایسے آثار پیدا کر دیے تھے جن کی بنا پر انگریزی تسلّط کے قدموں میں لرزش طاری ہو چلی تھی۔اس عہد کا افسانہ مذکورہ تغیّر وتبدل کی عکاسی کرتا ہے۔یہ عکاسی شہری زندگی اور دیہی ماحول دونوں کی ہیں۔اس میں اگر جبر واستبداد اور خوف ودہشت کا رقص نظر آتا ہے تو خلوص و صداقت،قوتِ عمل اور خود شناسی کا احساس بھی جلوہ گر ہے۔افسانہ نگاروں نے وطن کی محبّت کے گیت گائے ہیں،سامراج نظام کی ریشہ دوانیوں کا کھلم کھلا ذکر کیا ہے۔ حکام نوازی اور اور مفاد پرستی پر کچوکے لگائے ہیں۔انھوں نے منافرت و رقابت، کدورت و رشک وحسد پر نشتر زنی کرتے ہوئے صلح جوئی، باہمی رفاقت، مساوات اور اتحاد کی تلقین کی ہے۔سماجی نابرابری، مذہبی بالادستی، تنگ نظری، توہم پرستی، ذہنی نا آسودگی، تجرد کی زندگی، ہوسناکی، سخت گیری اور بے توجہی پر تیز چھری چلا کر سماجی پھوڑے کے فاسد مادے کو نکالنے کی کوشش کی ہے۔قدرتی آفات ومصائب کی بھیانک تصویر دکھلا کر قحط، سیلاب اور خشک سالی سے نبرد آزما ہونے کی راہ دکھلائی ہے۔نراج، اضطراب، مایوسی، محرومی، ناکامی، پژمردگی، جھنجھلاہٹ، پست ہمتی اور خودکشی جیسے موضوعات کو احاطۂ تحریر میں لا کر اردو افسانہ کے کینوس کو وسیع اور محترم کیا

ہے۔''[٦]

اس دہائی میں گوپی چند نارنگ نے دو اہم کتابیں ''اردو افسانہ؛ روایت اور مسائل''١٩٨١ء اور ''نیا اُردو افسانہ: انتخاب، تجزیے اور مباحث''١٩٨٨ء بھی مرتب کیں۔ اوّل الذکر اپنی اہمیت ناقدین اور موٴرخینِ افسانہ سے تسلیم کروا چکی ہے۔

٩٠ء کی دہائی بھی پچھلی دہائی کی طرح زرخیز رہی اور کئی اہم کتابیں اس عشرے میں بھی سامنے آئیں۔ اس دہائی کا غالب رجحان، افسانے کے جدید مباحث رہے جس میں علامت نگاری، ابلاغ کے مسائل اور دیگر رجحانات شامل ہیں۔ اگرچہ اس دَور میں ٨٠ء کی دہائی کی نسبت کم کتابیں لکھی گئیں۔ اہم کتابوں میں مہدی جعفر کی ''عصری افسانے کا فن''، وارث علوی کی ''جدید افسانہ اور اس کے مسائل''، علی حیدر ملک کی ''افسانہ اور علامتی افسانہ'' اور طارق چھتاری کی ''جدید افسانہ: اُردو اور ہندی'' شامل ہیں۔ وارث علوی، جدید افسانے سے زیادہ خوش نہیں۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے ایک کتاب ''جدید افسانہ اور اس کے مسائل'' کے عنوان سے لکھی۔ اس میں اُنھوں نے حقیقت نگاری کے برعکس علامتی اندازِ بیان میں جدید افسانے کی پیش کش میں مختلف مسائل کی نشان دہی کی ہے۔ اُن کے نزدیک جدید افسانے کی بڑی کمزوری علامات کے ساتھ لفظی پیکروں کی بھی کم یابی ہے اور جدید افسانے کے یک سرے پن کی وجہ اُنھوں نے فکشن کے مختلف طریقوں اور اسالیب سے بے نیازی بتائی ہے۔ اُن کے نزدیک جدید افسانہ Readable نہیں چوں کہ اس کی تکنیک اور اسلوب، ایک بور آدمی کی گفتگو، تکرار، بے جا طول، ژولیدہ بیانی اور خود کلامی لیے ہوئے ہے۔ اور خود کلامی کا استعمال ضرورت سے زیادہ ہے اور جدید افسانے کے پاس سوائے اسلوب کے کچھ نہیں۔ جدید افسانے کی فکری بے چارگی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اردو کا نیا افسانہ بستیوں کا ذکر کرتا ہے، اس میں گاؤں کی فضا نہیں۔ لوگ آبادی کی شکل میں رہتے ہیں، سماج کا نام و نشان نہیں۔ کردار بے چہرہ اور بے نام ہیں اور پوری فضا داستان، اسطوری کہانی اور پیغمبرانہ مکاشفے کی لرزشوں سے کانپتی ہے۔

نفسیات کی جگہ روحانیت، پلاٹ کی جگہ کہانی اور تخیّل کی جگہ فنٹاسی نے لے لی ہے۔'' [۷]

وارث علوی نے جدید افسانے کے حوالے سے کئی شکایتیں داخل دفتر کی ہیں اور ان کے برعکس علی حیدر ملک نے علامتی افسانے کے دفاع میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ طارق چھتاری نے جدید افسانے کے اہم رجحانات اور مبادیات پر بحث کی ہے۔ دو کتابیں اُردو افسانے کی روایت کے سلسلے میں سامنے آئیں۔ ''افسانے کا منظر نامہ'' میں ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اور ''اُردو افسانہ نگاری کے رجحانات'' میں ڈاکٹر فردوس انور قاضی نے افسانے کی روایت کو مختلف افسانہ نگاروں کے خصوصی مطالعے کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ ایک کتاب افسانے میں دیہات نگاری کے رُجحان کے مطالعے کے حوالے سے سامنے آئی۔ خورشید عالم کی کتاب ''اردو افسانوں میں گاؤں کی عکاسی'' ۱۹۹۴ء میں شایع ہوئی۔ آزاد کوثری کی کتاب ''نئے افسانے کی سماجی بنیادیں'' ۱۹۹۱ء میں سامنے آئی۔ اس دہائی میں ایک کتاب مرتبہ صورت میں بھی شایع ہوئی جسے قمر رئیس نے ''نیا افسانہ: مسائل اور میلانات'' کے عنوان سے ۱۹۹۲ء میں مرتب کیا۔

اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں بھی افسانے کی تنقید کے حوالے سے کئی اہم کتب منظرِعام پر آئیں جن میں صبا اکرام کی ''جدید افسانہ؛ چند صورتیں''، محمد حمید شاہد کی ''اُردو افسانہ؛ صورت و معنیٰ''، ڈاکٹر اعجاز راہی کی ''اردو افسانے میں علامت نگاری'' اور ''اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ''، ڈاکٹر انیس ناگی کی ''نئے افسانے کی کہانی''، ڈاکٹر صغیر افراہیم کی ''اُردو فکشن؛ تنقید اور تجزیہ''، ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش کی ''جدید اُردو افسانے کے رجحانات''، ڈاکٹر جمیل اختر محبی کی ''فلسفہ وجودیت اور جدید اردو افسانہ''، اسلم جمشید پوری کی ''جدیدیت اور اُردو افسانہ'' اور ''ترقی پسندی اور اُردو افسانہ''، ''اردو افسانہ: تعبیر و تنقید''، عابد سہیل کی ''فکشن کی تنقید؛ چند مباحث''، ڈاکٹر آصف اقبال کی ''جدید افسانہ؛ تجربے اور امکانات'' ڈاکٹر قاضی عابد کی ''اُردو افسانہ اور اساطیر'' اور نسترن احسن فتیحی کی ''ایکو فیمنزم اور عصری تانیثی اردو افسانہ''

شامل ہیں۔صبا اکرام نے جدید افسانے کو ابواب میں تقسیم کر کے،اُن مباحث کی روایت کی روشنی میں مطالعہ کیا ہے۔محمد حمید شاہد نے اردو افسانے کے مباحث،افسانہ کے اجزائے ترکیبی، سمعی روایت، کہانی پن کے مسئلے اور اسلوب کی بازی گری کے حوالے سے اہم نکات پیش کیے ہیں۔ڈاکٹر اعجاز راہی، چوں کہ خود بھی ایک علامتی افسانہ نگار کے طور پر اپنی پہچان رکھتے ہیں۔اُنھوں نے علامت کی تحریک اور علامت کی مبادیات کے پیشِ نظر مختلف علامتی افسانہ نگاروں کی علامتوں کو موضوع بنا کر وضاحت کی ہے، ڈاکٹر انیس ناگی اُردو تنقید میں ایک اہم نام ہے۔اُنھیں جو مقام لسانی تشکیلات کی تحریک کے وضاحتی علم برداروں میں حاصل ہے،اُس سے کسی کو انکار نہیں۔اُنھوں نے تنقید میں اپنا ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے۔اُنھوں نے افسانے کی تنقید کے حوالے سے گاہے گاہے مختلف مضامین رقم کیے۔اُن کی افسانوی تنقید کی خصوصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے مغرب کی تنقید کی روشنی میں اردو افسانے کے مباحث پر روشنی ڈالی ہے۔ڈاکٹر صغیر افراہیم نے اردو فکشن کی تنقید کی روایت پیش کی ہے اور مختلف افسانہ نگاروں کے نمائندہ افسانوں کے تجزیے پیش کیے ہیں۔ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش نے جدید تحریکوں اور رجحانات کے اثرات کو اُردو افسانے کے وسیع قالب میں دیکھا ہے۔ڈاکٹر جمیل اختر محبی اور ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے بالترتیب وجودیت اور ترقی پسند اور جدیدیت کے تناظر میں اُردو افسانے کا مطالعہ کیا ہے۔ڈاکٹر اسلم جمشید پوری افسانے کی تنقید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''افسانے کی تنقید ناقد سے متعدد تقاضے کرتی ہے۔مثلاً پوری کہانی پر نظر ہونا، کہانی کی جزئیات زبان،قصہ پن پر قابو،فنِ افسانہ نگاری سے واقفیت۔موضوع سے ہم آہنگی، ناقد کو کہانی کی ادھیڑ بن میں خاصی معاون ہوتی ہے۔افسانے کی تنقید میں بھی ہمارے بعض ناقد،شاعری کی تنقید کی طرح اشاروں، کنایوں اور علامتوں میں تنقید کرنے کے فیشن میں مبتلا ہیں،جن کی افسانے پر تحریریں بعض اوقات افسانوں سے بھی زیادہ گنجلک اور ثقیل ہوتی ہیں۔نتیجتاً قاری نہ تو تنقید پڑھتا ہے نہ فن پارہ۔'' [۸]

عابد سہیل نے فکشن کے مختلف مباحث خصوصاً شمس الرحمٰن فاروقی کے مباحث پر اپنی تنقید کی بنیاد رکھی ہے۔ ڈاکٹر آصف اقبال نے جدید افسانے کو تکنیک کی روشنی میں دیکھا ہے۔ اِسی طرح کی ایک کتاب ڈاکٹر فوزیہ اسلم نے ''اُردو افسانہ میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات'' کے عنوان سے تحریر کی ہے اور ڈاکٹر قاضی عابد کی انفرادیت یہ ہے کہ اُنھوں نے اساطیر کے مباحث، بہ طور تکنیک اور اسلوب کی مبادیات کے استعمال پر روشنی ڈالتے ہوئے، اُردو افسانے پر اس کے اثرات قلم بند کیے ہیں۔

مذکورہ بالا اردو افسانوی تنقید کی روایت، تنقیدی کتب کی روشنی میں پیش کی گئی ہے جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جو ناقدین اُردو افسانے سے یہ گلہ رکھتے ہیں کہ اردو افسانہ اپنا تنقیدی ذخیرہ قائم نہیں کر سکا، اُن کے لیے ایک حوصلہ افزا جواب ہے۔ افسانہ کے بہ طور صنف مباحث، اس کی ابتدا کے ساتھ ہی شروع ہو گئے تھے جو جدید تنقید کے پیرائے میں آج بھی اپنی وضاحت کا پرچار کر رہے ہیں اور جو بھی ناقد اُردو افسانے پر قلم اُٹھاتا ہے وہ دوسری اصناف سے اس کے موازنے اور اس کی تعریف متعیّن کرنے میں اپنا حصہ ضرور ڈال رہا ہے اور اُردو افسانے کی تنقید کو ثروت مند بنا رہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالقادر سروری، کردار اور افسانہ، حیدرآباد: مکتبہ ابراہیمیہ، ۹۱۲۹ء، ص۱۲۔۱۶

۲۔ پروین اظہر، اردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص۶۳

۳۔ سید وقار عظیم، نیا افسانہ، طبع دوم، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۷ء، ص۵۰

۴۔ محمد حسن عسکری، پیش لفظ، معیار، ممتاز شیریں، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۳ء، ص۱۱

۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی، افسانے کی حمایت میں، کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۴ء، ص۱۶۰

۶۔ ڈاکٹر صادق، اردو افسانہ ترقی پسند تحریک سے قبل، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۱ء، ص۲۲۰۔۲۲۱

۷۔ وارث علوی، جدید افسانہ اور اس کے مسائل، کراچی: آج پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص۲۲

۸۔ ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، اردو افسانہ: تعبیر و تنقید، نئی دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص۹

افسانہ پر لکھی جانے والی تنقیدی کتب کی فہرست

۱۔ دنیائے افسانہ، عبدالقادر سروری، انجمن مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۲۷ء

۲۔ کردار اور افسانہ، عبدالقادر سروری، انجمن مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۲۹ء

۳۔ افسانہ اور اس کی غایت، مجنوں گورکھپوری، مکتبہ شاہراہ، نئی دہلی، ۱۹۳۵ء

۴۔ افسانہ نگاری، سید وقار عظیم، سرسوتی پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد، ۱۹۳۵ء

۵۔ ہمارے افسانہ نگار، سید وقار عظیم، سرسوتی پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد، ۱۹۳۵ء

۶۔ نیا افسانہ، سید وقار عظیم، ساقی بک ڈپو، دہلی، ۱۹۴۶ء

۷۔ اصول افسانہ نگاری، اویس احمد ادیب، اردو پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد، س۔ن

۸۔ کہانی اور اس کا فن، انتونوف، مترجم مغنی تبسّم، شعور پبلی کیشنز، حیدر آباد، ۱۹۵۷ء

۹۔ افسانے کی حمایت میں، شمس الرحمٰن فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ۱۹۷۲ء

۱۰۔ اُردو افسانہ، رضیہ سجاد ظہیر، نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی، ۱۹۷۴ء

۱۱۔ مختصر افسانہ کا فنی تجزیہ، فردوس فاطمہ نصیر، اسرار کریمی پریس، الہ آباد، ۱۹۷۵ء

۱۲۔ افسانہ: حقیقت سے علامت تک، سلیم اختر، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء

۱۳۔ کہانی کے روپ، وہاب اشرفی، تعلیمی مرکز، پٹنہ، ۱۹۷۹ء

۱۴۔ نیا اردو افسانہ، کمار پاشی، ماڈرن پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء

۱۵۔ اُردو افسانہ دوسری جنگ عظیم سے آزادی ہند تک، عزیز فاطمہ، نصرت پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء

۱۶۔ نیا افسانہ، نئے دستخط، (مرتب) نشاط شاہد، معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء
۱۷۔ ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ، صادق، اردو مجلس، دہلی، ۱۹۸۱ء
۱۸۔ افسانے کا منظر نامہ، مرزا حامد بیگ، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء
۱۹۔ اُردو افسانہ روایت اور مسائل، گوپی چند نارنگ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۱۹۸۱ء
۲۰۔ جدید اردو افسانہ، شہزاد منظر، منظر پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۲ء
۲۱۔ اردو فکشن؛ بنیادی و تشکیلی عناصر، اختر انصاری، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۸۳ء
۲۲۔ اُردو افسانے کے افق، مہدی جعفر، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء
۲۳۔ اردو افسانہ: سماجی و ثقافتی پس منظر، فاطمہ عزیز، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء
۲۴۔ اردو مختصر افسانے کا ارتقا، نسیم آرا، تاج آفسیٹ پریس، الٰہ آباد، ۱۹۸۵ء
۲۵۔ اُردو افسانے کا تنقیدی مطالعہ، مہناز انور، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء
۲۶۔ اُردو افسانے کی نئی تخلیقی فضا، رام لعل، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء
۲۷۔ افسانہ اور افسانے کی تنقید، عبادت بریلوی، ادارہ ادب و تنقید، لاہور، ۱۹۸۶ء
۲۸۔ اُردو افسانے کا ارتقا، محمد حامد، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۶ء
۲۹۔ کہانی کے پانچ رنگ، شمیم حنفی، نگارشات، لاہور، ۱۹۸۶ء
۳۰۔ ترقی پسند افسانے میں عورت کا تصور، خورشید زہرا عابدی، جے آر آفسٹ پریس، نئی دہلی، ۱۹۸۷ء
۳۱۔ کچھ نئے اور پرانے افسانہ نگار، اے بی اشرف، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء
۳۲۔ اُردو افسانے کے ابتدائی نقوش، فیاض رفعت، سنسار پبلشنگ ہاؤس، بمبئی، ۱۹۸۷ء
۳۳۔ اُردو افسانہ؛ تحقیق و تنقید، انوار احمد، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۸۸ء
۳۴۔ اُردو مختصر افسانہ؛ فنی و تکنیکی مطالعہ، نگہت ریحانہ خان، بک وائز، لاہور، ۱۹۸۸ء
۳۵۔ اُردو کا افسانوی ادب، فرمان فتح پوری، عالمین پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء
۳۶۔ نیا اُردو افسانہ، (مرتب) گوپی چند نارنگ، اردو اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء
۳۷۔ بہار میں اردو افسانہ نگاری، وہاب اشرفی، بہار اردو اکادمی، پٹنہ، ۱۹۸۹ء
۳۸۔ اُردو کا علامتی افسانہ، مجید مضمر، نیو لیتھو آرٹ پریس، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء
۳۹۔ علامتی افسانے کے ابلاغ کا مسئلہ، شہزاد منظر، منظر پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۰ء

۴۰۔ جدید اُردو افسانہ؛ ہیئت و اسلوب میں تجربات کا تجزیہ، خورشید احمد، فخر الدین احمد میموریل، لکھنؤ، ۱۹۹۰ء
۴۱۔ اُردو افسانہ نگاری کے رجحانات، فردوس انور قاضی، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء
۴۲۔ جدید افسانہ اور اس کے مسائل، وارث علوی، نئی آواز، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء
۴۳۔ اُردو افسانہ، ترقی پسند تحریک سے قبل، صغیر افراہیم، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۱ء
۴۴۔ افسانہ اور افسانہ نگار، سلیم اختر، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء
۴۵۔ نئے افسانے کی سماجی بنیادیں، آزاد کوثری، روہتاس بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء
۴۶۔ آزادی کے بعد دہلی میں اردو افسانہ، (مرتب) قمر رئیس، اردو اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء
۴۷۔ اُردو افسانے کی روایت، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء
۴۸۔ اُردو افسانے کی کروٹیں، انور سدید، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء
۴۹۔ اُردو افسانہ، عہد بہ عہد، انور سدید، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۲ء
۵۰۔ جدید افسانہ؛ اردو، ہندی، طارق چھتاری، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء
۵۱۔ افسانے کے معمار، ظہیر علی صدیقی، لبرٹی آرٹ پریس، دہلی، ۱۹۹۲ء
۵۲۔ نیا افسانہ؛ مسائل اور میلانات، (مرتب) قمر رئیس، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۲ء
۵۳۔ افسانہ اور علامتی افسانہ، علی حیدر ملک، شعبہ تصنیف و تالیف، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج، کراچی، ۱۹۹۳ء
۵۴۔ اتر پردیش میں اردو افسانہ، عبیداللہ چودھری، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۹۳ء
۵۵۔ دہلی میں اردو افسانہ، ظل ہما، شاہد پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء
۵۶۔ پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال، شہزاد منظر، پاکستان اسٹڈی سنٹر، کراچی، ۱۹۹۵ء
۵۷۔ جہت نمائی (افسانوی ادب کا مطالعہ)، سعادت سعید، دستاویز مطبوعات، لاہور، ۱۹۹۵ء
۵۸۔ مختصر اردو افسانے کا سماجیاتی مطالعہ، عائشہ سلطانہ، ساقی بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۵ء
۵۹۔ اردو کے مختفی افسانے، حسن آرزو، دی کلچرل اکیڈمی، گیا، ۱۹۹۶ء
۶۰۔ اردو فکشن کی تنقید، ارتضیٰ کریم، فضلی بک سپر مارکیٹ، کراچی، ۱۹۹۷ء
۶۱۔ عصری افسانے کا فن، مہدی جعفر، معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء

۶۲۔ اُردوافسانے کے معمار، اسلم عزیز درانی، نوبل پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء

۶۳۔ اُردوافسانے میں رومانی رجحانات، محمد عالم خان، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء

۶۴۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں میں رومانوی جمالیات کے عناصر، افروز اسماعیل، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۹۸ء

۶۵۔ اُردوافسانے کا پس منظر: مغرب ومشرق کے حوالے سے، فیاض رفعت، تخلیق کا پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء

۶۶۔ اردو فکشن اور تیسری آنکھ، وہاب اشرفی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء

۶۷۔ اردوافسانے کے جنسی رجحانات، صلاح الدین درویش، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۹ء

۶۸۔ اردوافسانے پر مغربی ادب کے اثرات، شہناز پروین، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء

۶۹۔ ہندو مسلم فسادات اور اردوافسانہ، غیاث الدین، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۹ء

۷۰۔ فکشن کی تنقید کا المیہ، وارث علوی، آج، کراچی، ۲۰۰۰ء

۷۱۔ تقسیم ہند اور اردوافسانہ، ظفر سعید، ظفر پبلشرز، پٹنہ، ۲۰۰۰ء

۷۲۔ افسانہ اور افسانہ نگار، فرمان فتح پوری، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء

۷۳۔ اُردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید، پروین اظہر، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۰ء

۷۴۔ فکشن کی تنقید؛ چند مباحث، عابد سہیل، پاریکھ آفسٹ پرنٹنگ پریس لکھنؤ، ۲۰۰۲ء

۷۵۔ جدید اردوافسانے کے رجحانات، سلیم آغا قزلباش، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۲۰۰۰ء

۷۶۔ جدید افسانہ، چند صورتیں، صبا اکرام، فکشن گروپ آف پاکستان، کراچی، ۲۰۰۱ء

۷۷۔ جدیدیت اور اردوافسانہ، اسلم جمشید پوری، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء

۷۸۔ آزادی کے بعد اردو فکشن، (مرتب) ابوالکلام قاسمی، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء

۷۹۔ اُردوافسانے میں علامت نگاری، اعجاز راہی، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۲ء

۸۰۔ فلسفہ وجودیت اور جدید اردوافسانہ، جمیل اختر محبی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۲ء

۸۱۔ اُردوافسانے پر مغربی اثرات، خورشید احمد، علی گڑھ یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء

۸۲۔ ترقی پسند اردوافسانہ، اسلم جمشید پوری، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

۸۳۔ شاہ جہاں پور میں اردوافسانہ، وسیم مینائی، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

۸۴۔ نبض افسانہ، نصرت چودھری، انٹرنیشنل اردو پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۰۲ء
۸۵۔ اردو افسانے کی روایت، سہیل بخاری، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۲ء
۸۶۔ افسانہ اور قبول عام، ایس جعفر رضا، پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۲ء
۸۷۔ اردو افسانہ اور اساطیر، قاضی عابد، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۲ء
۸۸۔ پاکستان کی منتخب افسانہ نگار خواتین، دردانہ جاوید، قصر الادب، حیدر آباد، ۲۰۰۲ء
۸۹۔ آشوب سندھ اور اردو فکشن، مظہر جمیل، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۲ء
۹۰۔ اُردو فکشن؛ تنقید اور تجزیہ، صغیر افراہیم، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء
۹۱۔ افسانہ، بیسویں صدی کی روشنی میں، مہدی جعفر، معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء
۹۲۔ اُردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ، اعجاز راہی، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۳ء
۹۳۔ پنجاب اور اردو افسانہ، ناشر نقوی، پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ، ۲۰۰۴ء
۹۴۔ پاکستانی کہانیوں کا مطالعاتی اور تنقیدی جائزہ، آغا سلمان باقر، ابلاغ پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴ء
۹۵۔ سارک ممالک میں معاصر افسانہ، (مرتب) قاضی افضال حسین، علی گڑھ یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء
۹۶۔ اُردو افسانے میں بچوں کے کردار کا سماجی ونفسیاتی مطالعہ، مشتاق احمد بیگ، محبوب پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء
۹۷۔ انگارے: تحقیق وتنقید، محمد کامران، ماورا پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء
۹۸۔ اردو افسانے کے فراوغ میں ساقی کا کردار، سجاد حیدر پرویز، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۵ء
۹۹۔ اُردو افسانہ: تعبیر وتنقید، اسلم جمشید پوری، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۱۰۰۔ جدید اردو افسانے میں سماجی وثقافتی جہات، احمد طارق، ادارہ نیا سفر، الٰہ آباد، ۲۰۰۶ء
۱۰۱۔ اُردو افسانہ؛ صورت ومعنیٰ، محمد حمید شاہد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء
۱۰۲۔ اُردو افسانہ: تجزیہ، حامدی کاشمیری، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۱۰۳۔ اُردو افسانے کی نئی تنقید، سید محمد عقیل، انجمن تہذیب نو، الٰہ آباد، ۲۰۰۶ء
۱۰۴۔ اُردو فکشن کی مختصر تاریخ، فرمان فتح پوری، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۶ء
۱۰۵۔ اُردو افسانہ: ۱۹۸۰ء کے بعد، غضنفر اقبال، کاغذ پبلشرز، گلبرگہ، ۲۰۰۶ء
۱۰۶۔ آصف اقبال، ڈاکٹر، جدید افسانہ؛ تجربے اور امکانات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۷ء

۱۰۷۔ اُردوافسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، فوزیہ اسلم، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
۱۰۸۔ کچھ صورت گرافسانوں کے، رؤف نیازی، مطبوعات نیازیہ، کراچی، ۲۰۰۷ء
۱۰۹۔ افسانہ نگاراورافسانے، سید محمد قادری، مکتبہ غوثیہ، گیا، ۲۰۰۸ء
۱۱۰۔ نئے افسانے کی کہانی، انیس ناگی، جمالیات، لاہور، ۲۰۰۸ء
۱۱۱۔ اُردوافسانہ، شفیق انجم، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
۱۱۲۔ بہار کے چند نامور افسانہ نگار، رابعہ مشتاق، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء
۱۱۳۔ اُردوفکشن اور سینما، رضوان الحق، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء
۱۱۴۔ اُردوفکشن میں وقت کا تصور، ناہید قمر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
۱۱۵۔ جھاڑکھنڈ میں اردوافسانہ، طٰہٰ شمیم، ادیبہ پبلی کیشنز، رانچی، ۲۰۰۹ء
۱۱۶۔ اُردو میں منی افسانہ، آمنہ آفریں، معراج پبلی کیشنز، حیدرآباد، ۲۰۰۹ء
۱۱۷۔ اُردوافسانے کا مغربی دریچہ، جواز جعفری، کتاب سرائے، لاہور، ۲۰۰۹ء
۱۱۸۔ حیدرآباد میں اردوافسانہ، محی الدین باشاہ، سری وینٹ کیشور یونیورسٹی، ترپاٹھی، ۲۰۰۹ء
۱۱۹۔ اُردوافسانے کا تنقیدی جائزہ، احمد صغیر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء
۱۲۰۔ فکشن کی شعریات، گوپی چند نارنگ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء
۱۲۱۔ ترقی پسند تحریک اوراردوافسانہ، شہناز احمد، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء
۱۲۲۔ رام پور میں اردوافسانہ، شریف احمد قریشی، رضالائبریری، رام پور، ۲۰۰۹ء
۱۲۳۔ ہندوستان میں اردوافسانہ، نیرّحسن، سیفی بک ایجنسی، بمبئی، ۲۰۱۰ء
۱۲۴۔ اُردوافسانہ؛ ایک صدی کا قصہ، انواراحمد، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۰ء
۱۲۵۔ اُردوافسانہ: فکری وفنی مباحث، عظیم الشان صدیقی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء
۱۲۶۔ اُردو فارسی افسانہ: تجزیاتی و تقابلی مطالعہ، محمد کیومرثی، شعبہ اردو شاہ عبد اللطیف یونیورسٹی، خیرپور، ۲۰۱۰ء
۱۲۷۔ پونے میں اردوافسانہ، نذیر فتح پوری، اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ، پونا، ۲۰۱۰ء
۱۲۸۔ جدیداردوفکشن، حمیرااشفاق، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء
۱۲۹۔ اُردوافسانے میں جنس نگاری، عبدالرشید خاں، ذکری انٹرنیشنل پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء

۱۳۰۔ افسانوں کا تجزیاتی مطالعہ، سرفراز جاوید، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء
۱۳۱۔ اُردو فکشن پر روسی ادب کے اثرات، یوسف عباس، یوسف پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۱ء
۱۳۲۔ جموں کشمیر کے اردو افسانہ نگار، نور شاہ، میزان پبلشرز، سری نگر، ۲۰۱۱ء
۱۳۳۔ پاکستانی اردو افسانہ اور ۹/۱۱، نجیبہ عارف، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء
۱۳۴۔ اُردو افسانہ، ابن کنول، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء
۱۳۵۔ برصغیر میں اردو افسانہ، خالد اشرف، خالد پبلشرز، دہلی، ۲۰۱۱ء
۱۳۶۔ افسانے کے قواعد، سکندر احمد، اثبات پبلی کیشنز، ممبئی، ۲۰۱۲ء
۱۳۷۔ اُردو افسانہ میں طنز و مزاح، صائمہ کاظمی، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۲ء
۱۳۸۔ مابعد جدید ارود افسانہ، سجاد اختر، جواہر بک سنٹر، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء
۱۳۹۔ نیا افسانہ، نئے نام، نور الحسنین، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء
۱۴۰۔ اُردو افسانے میں جلاوطنی کا اظہار، روبینہ الماس، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء
۱۴۱۔ نسائی شعور کی تاریخ: اردو افسانہ اور عورت، عصمت جمیل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء
۱۴۲۔ اُردو افسانہ ترقی پسند تحریک کے بعد، سیفی سرونجی، انتساب پبلی کیشنز، سرونج، ۲۰۱۲ء
۱۴۳۔ اُردو افسانہ: فن، ہنر اور متنی تجزیے، اقبال آفاقی، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲ء
۱۴۴۔ بہار میں ارود افسانہ، نسیم احمد نسیم، الکوثر پبلی کیشنز، پٹنہ، ۲۰۱۳ء
۱۴۵۔ بنگال میں اردو افسانہ، عمران قریشی، تنویر بک ڈپو، آسانسوال، بھارت، ۲۰۱۳ء
۱۴۶۔ اُردو کی اہم خواتین افسانہ نگار: صوبہ بہار کے حوالے سے، رخسانہ جمیل، ایم۔ آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء
۱۴۷۔ اُردو افسانے میں جادوئی حقیقت نگاری، عبدالعزیز ملک، شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی، ۲۰۱۴ء
۱۴۸۔ افسانے کے فروغ میں ماہ نامہ آج کل کا کردار، عامر نذیر ڈار، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۱۴۹۔ افسانہ اور افسانہ نگار، نوشاد منظر، نیو بسمہ کتاب گھر، دہلی، ۲۰۱۴ء
۱۵۰۔ پاکستانی اردو افسانہ، طاہرہ اقبال، فکشن ہاوس، لاہور، ۲۰۱۴ء
۱۵۱۔ اُردو میں تجریدی افسانہ، آمنہ آفریں، امرین بک ایجنسی، احمد آباد، ۲۰۱۵ء

۱۵۲۔ بہار میں ترقی پسند اردو افسانہ،نزہت پروین،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی،۲۰۱۵ء
۱۵۳۔افسانہ اور افسانچہ: تکنیکی تناظر میں،محمد بشیر کوٹلوی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی،۲۰۱۵ء
۱۵۴۔نقد افسانہ،منصور خوشتر، بک کارپوریشن،احمد آباد،۲۰۱۶ء
۱۵۵۔ایکوفیمنزم اور عصری تانیثی اردو افسانہ،نسترن احسن فتیحی،امرین بک ایجنسی،احمد آباد،۲۰۱۶ء
۱۵۶۔اردو کے افسانوی ادب پر فسادات کے اثرات،شعیب عتیق خاں،بیکن بکس،ملتان،۲۰۱۶ء
۱۵۷۔بہار و جھارکھنڈ میں اردو افسانہ،قیوم نیر،امرین بک ایجنسی،احمد آباد،۲۰۱۶ء
۱۵۸۔اُردو فکشن: تفہیم،تعبیر اور تنقید،شہناز رحمٰن،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس،نئی دہلی،۲۰۱۶ء
۱۵۹۔ سعادت حسن منٹو،محمد حمید شاہد،شہرزاد،کراچی،۲۰۱۶ء
۱۶۰۔ اُردو فکشن: نئے مباحث،محمد حمید شاہد،مثال پبلشرز،فیصل آباد ۲۰۱۶ء
۱۶۱۔ دربھنگہ میں اردو افسانہ نگاری،مجیر احمد آزاد،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی،۲۰۱۷ء
۱۶۲۔ اُردو افسانے میں خیر و شر کا تصور،راحیلہ بشیر،مثال پبلشرز،فیصل آباد،۲۰۱۷ء
۱۶۳۔افسانہ کیسے لکھیں،محمد حمید شاہد،اکادمی ادبیات پاکستان،اسلام آباد،۲۰۱۷ء
۱۶۴۔فرقہ وارانہ فسادات اور اردو افسانہ،محمد زبیر،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی،۲۰۱۷ء
۱۶۵۔ افسانے کی تلاش،نیئر مسعود،شہرزاد،کراچی،۲۰۱۷ء
۱۶۶۔ افسانے کے مباحث،مرتب،ایم اے فاروقی، بک ٹائم،کراچی،۲۰۱۷ء
۱۶۷۔ اُردو افسانہ: مزاج و منہاج،سلیم سالک،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی،۲۰۱۷ء
۱۶۸۔ اُردو کی معروف خواتین افسانہ نگار،عاصمہ نیناں،عرشیہ پبلی کیشنز،نئی دہلی،۲۰۱۷ء
۱۶۹۔ تقسیم ہند اور اردو افسانہ،گلشن مسرت،عرشیہ پبلی کیشنز،نئی دہلی،۲۰۱۷ء
۱۷۰۔افسانہ،حقیقت اور تانیثیت،شبنم خاں،کتابی دنیا،نئی دہلی،۲۰۱۷ء
۱۷۱۔ جدید اُردو افسانہ: بدلتی قدریں،ساغر برنی،اسلم جمشید پوری،عرشیہ پبلی کیشنز،نئی دہلی،۲۰۱۷ء
۱۷۲۔اردو افسانہ: مزاج و منہاج،سلیم سالک،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس،دہلی،۲۰۱۷ء
۱۷۳۔اُردو افسانہ،فکری و فنی مباحث،فقیر حسین، بک ٹاک،لاہور،۲۰۱۸ء
۱۷۴۔پاکستانی خواتین افسانہ نگار،نورین رزاق،دستاویز،لاہور،۲۰۱۸ء
۱۷۵۔اُردو افسانے میں مشترکہ ہندوستانی تہذیبی عناصر،منصور احمد، بک ٹاک،لاہور،۲۰۱۹ء

افسانہ نگار شخصیات کے انفرادی مطالعے پر مبنی

کتب کی فہرست

۱۔ پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری، اکبرالدین صدیقی، انجمن طیلسانین، عثمانیہ باغ عامہ، حیدر آباد، ۱۹۴۵ء

۲۔ پریم چند کا مطالعہ، افتخار حسین بخاری، آئی۔ کے خانہ، لاہور، ۱۹۶۵ء

۳۔ پریم چند، کہانی کا رہنما، جعفر رضا، رام نرائن، الٰہ آباد، ۱۹۶۹ء

۴۔ مطالعہ یلدرم، معین الرحمٰن، نذر سنز، لاہور، ۱۹۷۱ء

۵۔ راجندر سنگھ بیدی: شخصیت اور فن، سید نثار مصطفیٰ، مکتبہ تصنیف و تالیف، جمشید پور، ۱۹۸۰ء

۶۔ منٹو: شخصیت اور فن، پریم گوپال متل، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۰ء

۷۔ منٹو کا فن، سید وقار عظیم، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۲ء

۸۔ سعادت حسن منٹو: اپنی تخلیقات کی روشنی میں، محمد حسن، دارالاشاعت، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء

۹۔ منٹو، نوری نہ ناری، ممتاز شیریں، مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۸۵ء

۱۰۔ سعادت حسن منٹو: حیات اور کارنامے، برج پریمی، دیپ پبلی کیشنز، سری نگر، ۱۹۸۶ء

۱۱۔ علی عباس حسینی، حیات اور ادبی کارنامے، تہمینہ اختر، ادارہ فکر جدید، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء

۱۲۔ بیدی نامہ، شمس الحق عثمانی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء

۱۳۔ پریم چند: ایک نقیب، صغیر افراہیم، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۷ء

۱۴۔ پریم چند، کچھ نئے مباحث، مانک ٹالا، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء
۱۵۔ حیات اختر (اختر انصاری)، محمد انیس خاں، مکتبہ جلیسان ادب، حیدر آباد، ۱۹۸۹ء
۱۶۔ راجندر سنگھ بیدی، وارث علوی، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۸۹ء
۱۷۔ کرشن چندر اور مختصر افسانہ نگاری، احمد حسن، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء
۱۸۔ خواجہ احمد عباس، افکار، گفتار، کردار، راج نرائن راز، ہریانہ اردو اکادمی، ہریانہ، ۱۹۸۹ء
۱۹۔ پریم چند کے افسانے (حقیقت نگاری اور دیہی زندگی کے مسائل)، خالد حیدر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء
۲۰۔ ڈاکٹر رشید جہاں، حیات اور کارنامے، شاہدہ بانو، نصرت پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء
۲۱۔ غلام عباس۔ایک مطالعہ، شہزاد منظر، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۱ء
۲۲۔ کرشن چندر کے افسانوں میں حقیقت نگاری، شکیب نیازی، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء
۲۳۔ کرشن چندر، جیلانی بانو، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۹۲ء
۲۴۔ رام لعل کی افسانہ نگاری، ظہیر آفاق، اے ون آفیسٹ پرنٹرز، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء
۲۵۔ عصمت چغتائی: شخصیت اور فن، ایم سلطانہ بخش، ورڈ وژن پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء
۲۶۔ پریم چند، قلم کا سپاہی، امرت رائے، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۹۲ء
۲۷۔ سعادت حسن منٹو، وارث علوی، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۹۵ء
۲۸۔ نیاز فتح پوری: شخصیت اور فن، عقیلہ شاہین، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۹۵ء
۲۹۔ منیر الدین احمد کے افسانے: تنقیدی جائزہ، مقصود حسنی، پنجاب بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۵ء
۳۰۔ ڈاکٹر رشید جہاں: حیات اور خدمات، ادریس احمد خاں، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء
۳۱۔ احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری، قاسم ظفر خاں، قاسم پبلشرز، پٹنہ، ۱۹۹۶ء
۳۲۔ انتظار حسین، ایک دبستان، (مرتب) ارتضیٰ کریم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء
۳۳۔ منٹو شناسی، شکیل الرحمٰن، جے کے آفیسٹ، دہلی، ۱۹۹۷ء
۳۴۔ اُردو فکشن کے ارتقا میں عصمت چغتائی کا حصہ، محمد اشرف، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۹۷ء

۳۵۔ ندیم کے افسانوی کردار، غافر شہزاد، ادراک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء
۳۶۔ اشفاق احمد: شخصیت اور فن، اے حمید، محمد حمید شاہد، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء
۳۷۔ امراؤ طارق: شخصیت اور فن، ممتاز ضمیر، مکتبہ جلیسان ادب، حیدر آباد، ۱۹۹۸ء
۳۸۔ پریم چند: فن و تعمیر فن، جعفر رضا، شبستان، الٰہ آباد، ۱۹۹۹ء
۳۹۔ راجندر سنگھ بیدی: شخصیت اور فن، جگدیش چندر ودھان، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء
۴۰۔ کرشن چندر؛ شخصیت اور فن، بیگ احساس، شارپ کمپوٹرس، حیدر آباد، ۱۹۹۹ء
۴۱۔ انور شیخ بحیثیت افسانہ نگار، مناظر عاشق ہرگانوی، نرالی دنیا پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء
۴۲۔ راجندر سنگھ بیدی کی افسانہ نگاری، وہاب اشرفی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء
۴۳۔ منٹو کا سرمایہ فکر و فن، نگار عظیم بزم ہم قلم، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء
۴۴۔ احمد ندیم قاسمی، شاعر اور افسانہ نگار، فتح محمد ملک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء
۴۵۔ منٹو اور بیدی کا تقابلی مطالعہ، کہکشاں پروین، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء
۴۶۔ کرشن چندر: شخصیت اور فن، جگدیش چندر ودھان، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء
۴۷۔ احمد ندیم قاسمی ایک لیجنڈ، شکیل الرحمٰن، اساطیر پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء
۴۸۔ خواجہ احمد عباس، غلام حسین، بھوپال بک ہاؤس، بھوپال، ۲۰۰۳ء
۴۹۔ ابوالفضل صدیقی، شخص و فن کی تفہیم، شمس الحق عثمانی، ساقی بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء
۵۰۔ بلونت سنگھ: فن اور شخصیت، ممتاز آرا، تخلیق کار پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۳ء
۵۱۔ غلام عباس، سویا مانے یاسر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء
۵۲۔ مجنوں گورکھ پوری، حیات و فن، عبدالستار نیازی، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۴ء
۵۳۔ مسعود مفتی: شخصیت اور فن، مقصودہ حسین، نواب سنز، راولپنڈی، ۲۰۰۴ء
۵۴۔ سعادت حسن منٹو کی کہانی، انیس ناگی، جمالیات، لاہور، ۲۰۰۵ء
۵۵۔ سعادت حسن منٹو، ایک نئی تعبیر، فتح محمد ملک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء
۵۶۔ انتظار حسین، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، اورنگ زیب عالمگیر، سنگت پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء
۵۷۔ پریم چند، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، اورنگ زیب عالمگیر، سنگت پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء

۵۸۔ سجاد حیدر یلدرم، تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، اورنگ زیب عالمگیر، سنگت پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء
۵۹۔ سعادت حسن منٹو، تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، اورنگ زیب عالمگیر، سنگت پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء
۶۰۔ غلام عباس، تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، اورنگ زیب عالمگیر، سنگت پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء
۶۱۔ افسانے منٹو کے اور پھر بیاں اپنا، خالد اشرف، ایچ ایس آفسٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۶۲۔ ابوالفضل صدیقی: شخصیت اور فن، نذر الحسن صدیقی، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء
۶۳۔ سعادت حسن منٹو: تحقیق، علی ثنا بخاری، منٹو اکادمی، لاہور، ۲۰۰۶ء
۶۴۔ انتظار حسین: شخصیت اور فن، آصف فرخی، اکادمی ادبیات، اسلام آباد ۲۰۰۶ء
۶۵۔ پروفیسر احمد علی: شخصیت اور فن، محمد کامران، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۶ء
۶۶۔ ممتاز شیریں: ناقد اور کہانی کار، ابوبکر عباد، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۶۷۔ شوکت صدیقی: شخصیت اور فن، انوار احمد، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء
۶۸۔ افسانہ نگار پریم چند، عظیم الشان صدیقی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۶۹۔ غلام عباس، فکر وفن کے آئینے میں، تنویر حسین، کالج بک ڈپو، لاہور، ۲۰۰۶ء
۷۰۔ شفیق الرحمٰن: شخصیت وفن، اشفاق احمد ورک، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء
۷۱۔ مابعد جدیدیت اور پریم چند، ارتضیٰ کریم، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۶ء
۷۲۔ ممتاز شیریں: شخصیت اور فن، تنظیم الفردوس، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
۷۳۔ جمیلہ ہاشمی کا افسانوی ادب، اسلم سروہی، الاعجاز پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء
۷۴۔ منٹو اور مزاح، اشفاق احمد ورک، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۷ء
۷۵۔ افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی: آثار وافکار، افشاں ملک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء
۷۶۔ محمد حسن عسکری: شخصیت اور فن، عزیز ابن الحسن، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
۷۷۔ رشید امجد کے افسانوں کا فنی وفکری مطالعہ، صفیہ عباد، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
۷۸۔ ممتاز مفتی: شخصیت اور فن، نجیبہ عارف، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء
۷۹۔ وہاب اشرفی کی افسانہ نگاری، امجد حیات برق، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء
۸۰۔ بانو قدسیہ: شخصیت اور فن، انور سدید، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
۸۱۔ سعادت حسن منٹو: شخصیت اور فن، مبین مرزا، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

۸۲۔ مسعود مفتی: شخصیت اور فن، مقصودہ حسین، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
۸۳۔ ممتاز شیریں: شخصیت اور فن، تنظیم الفردوس، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
۸۴۔ دیپک بدکی کی افسانہ نگاری، جاوید اقبال، میزان پبلشرز، سری نگر، ۲۰۰۹ء
۸۵۔ علامہ نیاز فتح پوری: شخصیت اور فن، عقیلہ شاہین، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء
۸۶۔ سعادت حسن منٹو: حیات اور افسانے، فرزانہ اسلم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۲۰۰۹ء
۸۷۔ احمد ندیم قاسمی: شخصیت اور فن، ناہید قاسمی، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء
۸۸۔ قرۃ العین حیدر کے افسانے: ایک تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ، رئیس فاطمہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۱۰ء
۸۹۔ غلام عباس: فکر و فن، (مرتب) ایم خالد فیاض، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۰ء
۹۰۔ رشید امجد: شخصیت اور فن، شفیق انجم، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۹۱۔ مجنوں گورکھپوری: شخصیت اور فن، جمال نقوی، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۹۲۔ عرش صدیقی: شخصیت اور فن، بیگم نظیر افتخار، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۹۳۔ منشا یاد: شخصیت اور فن، اسلم سراج الدین، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۹۴۔ امر جلیل: شخصیت اور فن، کے ایس ناگپال، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۹۵۔ فرخندہ لودھی: شخص و عکس، نسیم بانو، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۰ء
۹۶۔ حجاب امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن، غفور شاہ قاسم، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
۹۷۔ احمد شاہ سے احمد ندیم قاسمی تک، محمد عباس طوروی، کوپرا، لاہور، ۲۰۱۰ء
۹۸۔ راجندر سنگھ بیدی: ایک سماجی و تہذیبی مطالعہ، سید محمود کاظمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء
۹۹۔ راجندر سنگھ بیدی کی تخلیقات میں نسوانی کرداروں کا تجزیاتی مطالعہ، زاہدہ بی بی، وانگمیہ بکس، علی گڑھ، ۲۰۱۱ء
۱۰۰۔ ندیم شناسی، فتح محمد ملک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء
۱۰۱۔ منٹو اور عصمت کے افسانوں میں عورت کا تصور، پرویز شہریار، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء

۱۰۲۔ سعادت حسن منٹو،منٹو صدی مرتب،مبین مرزا، رؤف پاریکھ،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد، ۲۰۱۱ء

۱۰۳۔ منٹو:حقیقت سے افسانے تک،شمیم حنفی، دلی کتاب گھر،نئی دہلی،۲۰۱۲ء

۱۰۴۔ فرخندہ لودھی:شخصیت اورفن،انور سدید،اکادمی ادبیات،اسلام آباد،۲۰۱۲ء

۱۰۵۔ ڈاکٹر سلیم اختر:شخصیت اورفن،شاہین مفتی،اکادمی ادبیات،اسلام آباد،۲۰۱۲ء

۱۰۶۔ اُردو افسانہ نگاری میں کرشن چندر کی انفرادیت،یوسف سرمست،ادارہ شعر وحکمت،حیدر آباد، ۲۰۱۲ء

۱۰۷۔ منٹو،ہمارے عہد کا تخلیقی ضمیر،احمد سلیم،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۲ء

۱۰۸۔ منظر کاظمی کی افسانہ نگاری،افسر کاظمی، بک امپوریم، پٹنہ،۲۰۱۲ء

۱۰۹۔ منٹو اور ہم،الطاف احمد قریشی،ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،۲۰۱۲ء

۱۱۰۔ راشدالخیری کی افسانہ نگاری،محمد اکبر،الہدیٰ پبلی کیشنز،مظفّر پور،۲۰۱۲ء

۱۱۱۔ کامریڈ منٹو،علی احمد فاطمی،رجحان پبلی کیشنز،الہ آباد،۲۰۱۲ء

۱۱۲۔ منٹو کا اسلوب،طاہرہ اقبال،فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۱۲ء

۱۱۳۔ کرشن چندر کے افسانوں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ،مقتدرہ قومی زبان،اسلا مآباد،۲۰۱۲ء

۱۱۴۔ منٹو غالب کا پرستار،پرویز انجم،مثال پبلشرز،فیصل آباد،۲۰۱۲ء

۱۱۵۔ منٹو کا آدمی نامہ،آصف فرخی،شہرزاد،کراچی،۲۰۱۲ء

۱۱۶۔ یہ ہے منٹو،اصغر طاہر،مکتبہ جدید،لاہور،۲۰۱۲ء

۱۱۷۔ منٹو کا سیاسی شعور،روبینہ یاسمین،مثال پبلشرز،فیصل آباد،۲۰۱۲ء

۱۱۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی کی افسانہ نگاری کا جائزہ،طاہرہ نورانی،ایم آر پبلی کیشنز،نئی دہلی،۲۰۱۳ء

۱۱۹۔ سعادت حسن منٹو:جادوئی حقیقت نگاری اور آج کا افسانہ،محمد حمید شاہد،شہرزاد،کراچی،۲۰۱۳ء

۱۲۰۔ غالب اور منٹو،شمس الحق عثمانی،غالب اکیڈمی،دہلی،۲۰۱۳ء

۱۲۱۔ منٹو کے افسانے،قاضی افضال حسین،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،نئی دہلی،۲۰۱۳ء

۱۲۲۔ ہمارے لیے منٹو صاحب،شمس الرحمٰن فاروقی،ایم آر پبلی کیشنز،نئی دہلی،۲۰۱۳ء

۱۲۳۔ سعادت حسن اور منٹو،اقبال احمد جعفری،نگارشات،لاہور،۲۰۱۳ء

۱۲۴۔ قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری، مسرت جہاں، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۱۲۵۔ ابنِ کنول بحیثیت افسانہ نگار، عزیز احمد، کتابی دنیا، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۱۲۶۔ مطالعہ سہیل عظیم آبادی، افسانہ خاتون، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۱۲۷۔ جوگندر پال: شخصیت، عہد افسانہ نگاری، مول راج، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۱۲۸۔ منٹو کی عورتیں، روش ندیم، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۴ء
۱۲۹۔ سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں نسوانی کردار، نوشابہ پروین، گراس روٹس انڈیا پبلی کیشنز، ہزاری باغ، ۲۰۱۴ء
۱۳۰۔ منٹو اور سینما، پرویز انجم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء
۱۳۱۔ خواجہ احمد عباس بحیثیت افسانہ نگار، عبدالسّلام عارف، بک کارپوریشن، دہلی، ۲۰۱۵ء
۱۳۲۔ جوگندر پال کی افسانہ نگاری، ابوظہیر ربانی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۱۳۳۔ افسانہ شناسی، سبینہ اویس، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۵ء
۱۳۴۔ امرتسر کا منٹو، پرویز انجم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء
۱۳۵۔ میرزا ادیب اور افسوں سازی، اقرا سبحان، البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۱۳۶۔ پیغام آفاقی کی افسانہ نگاری، عارفہ شبنم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۱۳۷۔ عصمت چغتائی، وسیم فرحت، آئیڈیل پبلی کیشنز، امراوتی، ۲۰۱۵ء
۱۳۸۔ اُردو فکشن کا تازہ اسلوب: محمد حمید شاہد، کامران شہزاد، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۵ء
۱۳۹۔ میں نے منٹو کیسے پایا، احمد ندیم قاسمی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء
۱۴۰۔ منٹو: کون ہے یہ گستاخ، (مرتب) سید عامر سہیل، کوپرا، لاہور، ۲۰۱۵ء
۱۴۱۔ جیلانی بانو کے افسانوی کردار، اقرا توحید، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۶ء
۱۴۲۔ پریم چند کے افسانوں میں معاشرتی مسائل، صاحب سنگھ، اضحیٰ پبلی کیشنز، کلکتہ، ۲۰۱۶ء
۱۴۳۔ پریم چند کی کہانیوں میں پسماندہ طبقات کے مسائل، جوہی بیگم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۱۴۴۔ خالدہ حسین: شخصیت اور فن، بی بی امینہ، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء
۱۴۵۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں نسائیت، رابعہ الربا، دستاویز مطبوعات، لاہور، ۲۰۱۷ء

۱۴۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی کی افسانہ نگاری، صابرہ محسن، عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ، ۲۰۱۷ء
۱۴۷۔ انتظار حسین: حیات وفن، نعیم انیس، مغربی بنگال اکادمی، کلکتہ، ۲۰۱۷ء
۱۴۸۔ ڈاکٹر انوار احمد: شخصیت اور فن، مسرت بانو، شعبہ اردو سرگودھا یونیورسٹی، ۲۰۱۷ء
۱۴۹۔ انجمن ترقی پسند مصنّفین اور احمد ندیم قاسمی، احمد سلیم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء
۱۵۰۔ بلونت سنگھ کی افسانہ نگاری، امتیاز احمد انصاری، حالی پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء
۱۵۱۔ فرخندہ لودھی: اردو افسانے کی اہم نسائی آواز، میمونہ سبحانی، شمع بکس فیصل آباد، ۲۰۱۸ء
۱۵۲۔ اسلم جمشید پوری، اردو افسانے کی منفرد آواز، صالحہ رشید، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء
۱۵۳۔ سعادت حسن منٹو: شخصیت نامہ، امجد طفیل، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۵۴۔ بلونت سنگھ، تحقیق و تجزیہ، نبیل احمد نبیل، کتاب سرائے، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۵۵۔ منٹو: تقسیم، ہجرت اور احتجاج، اشرف لون، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۵۶۔ منٹو اور جلیانوالہ باغ، پرویز انجم، مکتبہ جدید، لاہور، ۲۰۱۹ء
۱۵۷۔ منٹو اور کشمیر، پرویز انجم، مکتبہ جدید، لاہور، ۲۰۱۹ء
۱۵۸۔ منٹو اور انکل سام، پرویز انجم، مکتبہ جدید، لاہور، ۲۰۱۹ء
۱۵۹۔ سعادت حسن مرگیا منٹو زندہ نہیں مرا، پرویز انجم، مکتبہ جدید، لاہور، ۲۰۱۹ء
۱۶۰۔ منٹو، ایک خیال، پرویز انجم، مکتبہ جدید، لاہور، ۲۰۱۹ء
۱۶۱۔ بدنما افسانے اور اجلا منٹو، پرویز انجم، مکتبہ جدید، لاہور، ۲۰۱۹ء
۱۶۲۔ آصف فرخی کی کہانی کا جہانِ معنی، رُخسانہ پروین، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۱۹ء

ڈراما : جمالیات اور انتقاد

ڈراما، یونانی زبان کے لفظ ''ڈراؤ'' سے مشتق ہے جس کا مطلب کر کے دکھانا ہے۔ سنسکرت میں اسے ''ورشیہ کاؤ'' اور ''روپک'' کہا گیا ہے۔ ڈرامے کے داخلی عناصر میں؛ قصے میں روانی، تسلسل، تجسّس، تذبذب اور کشمکش شامل ہیں۔ تصادم کی دو صورتیں ہیں۔ داخلی تصادم، کرداروں کی اندرونی کیفیات و جذبات سے تعلّق رکھتا ہے۔ خارجی تصادم، دو قوموں، جذبوں، خیر و شر، ظالم و مظلوم اور ادنیٰ و اعلیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ ڈرامے کے خارجی عناصر اسٹیج، اداکار اور تماشائی ہیں۔ ڈراما، احادِ ثلاثہ پر مبنی ہوتا ہے۔ احادِ ثلاثہ سے مراد وحدتِ زماں، وحدتِ مکاں اور وحدتِ عمل ہے۔ وحدت زماں سے مراد واقعے کا ایک ہی زمانے یا وقت میں رونما ہونا ہے۔ وحدتِ مکاں سے مراد واقعے کا ایک ہی علاقہ یا جگہ میں وقوع پذیر ہونا ہے۔ وحدتِ عمل سے مراد واقعات کا منطقی ہونا ہے۔ ڈرامائی مفاہمت سے مراد تماشائی اور ڈراما نگار کے درمیان مفاہمت کی صورت ہے۔ مثلاً جملہ ساز و سامان کے بغیر گانا گایا جانا، کرداروں کی خود کلامی کا بلند آواز میں بولا جانا یا انگریز کردار کا اُردو یا مقامی زبان بولنا وغیرہ۔

ڈرامے کے اجزائے ترکیبی میں (i) پلاٹ (ii) کردار (iii) مکالمہ (iv) اسلوبِ بیان

شامل ہیں۔ ڈرامے میں واقعات کی منطقی ترتیب کو پلاٹ کہتے ہیں جو پانچ اجزا پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ پانچ اجزا (i) تمہید (ii) ارتقا (iii) عروج (iv) تنزل (v) انجام ہیں۔ ڈرامے کی تین بنیادی اقسام ہیں۔ ایسے ڈرامے جن کا اختتام کسی غم، دکھ، موت پر ہوا سے المیہ یا حُزنیہ کہتے ہیں۔ ایسا ڈراما جس کا انجام خوشی و کامرانی پر مبنی ہوا سے طربیہ کہتے ہیں۔ وہ ڈراما جو گیتوں پر مبنی ہوا، اُسے میلو ڈراما کہتے ہیں۔ پیش کش کے اعتبار سے ڈرامے کی تین اقسام ہیں۔ اسٹیج ڈراما، ریڈیائی ڈراما اور ٹی وی ڈراما۔ اُردو ڈرامے کی ابتدائی صورتوں میں بھانڈ، بھگت باز، نقلیے، روپ بہروپ، لیلائیں، پتلی تماشے اور نوٹنکی شامل تھے۔ اُردو ڈرامے کا آغاز لکھنؤ سے ہوا۔ لکھنؤ کے شاہی اسٹیج پر واجد علی شاہ کا ڈراما ''رادھا کنہیا'' اسٹیج ہوا۔ امانت علی لکھنوی کا ڈراما ''اندر سبھا'' لکھا گیا۔ اس کی تقلید میں بہت سی سبھائیں لکھی اور اسٹیج ہوئیں۔ یہ سبھائیں مداری لال، منشی خادم حسین نے لکھیں۔ بنگال میں ڈراما نگاری کا فن بھی پروان چڑھا۔ شیخ امام بخش کے ڈراما ''ناگر سبھا'' کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔ ماسٹر احمد حسن وافر کا ڈراما ''بلبل بیمار'' مقبول ہوا۔ بمبئی بھی اُردو ڈرامے کا گہوارا ثابت ہوا۔ ساحلی شہر، غیر ملکیوں کی آمد اور توجہ کا مرکز تھا۔ اس لیے تفریحِ طبع کا کام اسٹیج ڈرامے نے کیا۔ ''راجہ گوپی چند اور جالندھر'' از ڈاکٹر بھاؤ واجی لاڈ کے ڈرامے نے شہرت حاصل کی۔ ہندو ڈرامیٹک کور، الفریڈ ناٹک منڈلی، وکٹوریا کلب ایسی کمپنیوں نے اسٹیج ڈرامے کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ سید عباس علی کے ڈرامے ''گل رو روزینہ''، ''سیتا کی شادی''، ''نانا صاحب'' معروف ہوئے۔ ایدل جی کھوری اور سیٹھ بہرام جی کے ڈراما ''خورشید'' کو بھی شہرت حاصل ہوئی۔

اس دور کے ڈراموں کا ماخذ داستانیں، مثنویاں اور لوک کہانیاں تھیں۔ آرام جی نسروان جی کے ڈرامے ''گل بکاؤلی''، ''حاتم طائی''، ''گوپی چند'' اور ''جواں بخت'' وغیرہ ہیں۔ ''جواں بخت''، شیکسپیئر کے ڈراما ''مرچنٹ آف وینس'' کا ترجمہ ہے۔ ''آرام جی'' کو اُردو میں شیکسپیئر کے پہلے مترجم کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ رونق بنارسی کے ڈرامے؛ ''سانحۂ دلگیر

عرف رانجھا ہیر''، ''عجائبات پرستان عرف بہارستانِ عشق'' اہم ہیں۔ حسینی میاں ظریف کے ڈراموں کا ماخذ داستانیں ہیں۔ حافظ محمد عبداللہ کے ڈراموں میں گانوں کی کثرت ہے۔ طالب بنارسی کے اہم ڈرامے ''لیل ونہار''، ''نگاہِ غفلت''، ''کرشمہ محبّت''، ''عاشق کا خون''، ''ہریش چندر'' ہیں۔ احسن لکھنوی نے شیکسپیئر کے ڈراموں کو اُردو میں منتقل کیا۔ اُن کا اہم ڈراما ''چندراولی نیک بخت'' مقبول ہوا۔ بیتاب دہلوی نے بمبئی سے ماہ نامہ ''شیکسپیئر'' نکالا۔ ان کے اہم ڈرامے ''قتل نظیر''، ''میٹھا زہر''، ''فریبِ نظر''، ''امرت''، ''رامائن''، ''مدرانڈیا'' اور ''ہماری بھول'' ہیں۔ آغا حشر کاشمیری کے اہم ڈراموں میں ''رستم وسہراب''، ''یہودی کی لڑکی''، ''سلور کنگ''، ''سورداس''، ''خوابِ ہستی''، ''آنکھ کا نشہ''، ''دل کی پیاس'' اور ''ترکی حور'' ہیں۔

حکیم احمد شجاع کے ڈرامے ''باپ کا گناہ''، ''بھیشم پرتگیا''، ''مینا منتوش''، ''تارا'' اہم ہیں۔ اُنھوں نے بنگالی ڈراموں کو اُردو میں منتقل کیا۔ سید امتیاز علی تاج، اُردو ڈرامے کا اہم نام ہے۔ اُن کا ڈراما ''انارکلی'' المیہ ڈراموں میں اپنی انفرادیت اور شناخت رکھتا ہے۔ ادبی ڈراما لکھنے والوں میں؛ محمد حسین آزاد (اکبر)، مرزا ہادی رسوا (مرقع لیلیٰ مجنوں)، عبدالحلیم شرر (شہیدِ وفا)، پریم چند (کربلا)، مولانا ظفر علی خان (ایڈیٹر کا حشر)، برج نرائن چکسبت (کملا)، محمد عمر نورالٰہی (جھانسی کی رانی)، قاضی عبدالغفار (سیب کا درخت) اور ایم ڈی تاثیر (لیلائے وطن) ہیں۔ ریڈیائی ڈراما لکھنے والوں میں؛ میرزا ادیب، اصغر بٹ، محمد حسن، عشرت رحمانی، ابراہیم یوسف، رفیع پیر اور کمال احمد رضوی اہم نام ہیں۔ اشفاق احمد، ضیا سرحدی، انور سجاد، منو بھائی، آغا ناصر، حسینہ معین، شوکت صدیقی، امجد اسلام امجد، اصغر ندیم سید، نورالہدیٰ شاہ، عبدالقادر جونیجو، عطاالحق قاسمی، یونس جاوید، منشا یاد، راحت کاظمی، ڈینس آئزک، شاہد محمود ندیم، مسرت کلانچوی، فاروق قیصر، فاطمہ ثریا بجیا، رؤف خالد اور کیف رضوانی اہم ٹی۔ وی ڈراما نگار ہیں۔

اُردو ڈرامے کی تنقید کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوا۔ بیسویں صدی کے

نصف اوّل میں چار تنقیدی کتب سامنے آئیں۔ پہلی کتاب ۱۹۰۴ء میں سید محمد حسین رضوی کی ''ڈراما پر ایک دقیق نظر'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب راجندر لٹریری انسٹی ٹیوٹ جھالا واڑ کے سرپرست مہاراج رانا سری بھوانی سنگھ جی صاحب بہادر کی نذر کی گئی۔ وہ ڈراما کی اصطلاح کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ ایسا صنفِ کلام جس میں وجدانی مضامین، نظم ونثر کی تخصیص کے بغیر، کرداروں (ایکٹروں) کے ذریعے اسٹیج پر، عوام کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ڈرامے کی اقسام ٹریجڈی اور کامیڈی کو صریحاً بیان کرتے ہیں۔ فن ڈراما اور اسٹیج کے لوازمات نمایاں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یونانی، فرانسیسی، انگریزی اور سنسکرت ڈراما کی روایت کو مختصراً اجاگر کیا ہے۔ ۱۹۲۴ء میں دوسری کتاب ''ناٹک ساگر'' از نورالٰہی محمد عمر شائع ہوئی۔ یہ ڈراما کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کتاب کا تعلق دیگر زبانوں میں ڈرامے کی روایت سے ہے۔ پندرہ ابواب میں تیس ممالک میں ڈرامے کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ بارہویں باب میں ہندوستان میں ڈرامے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ باب ڈرامے کی اقسام، ارکان ڈراما، خصوصیات، قدیم ڈراموں کے موضوعات، ڈرامے کی ترتیب، منظر، ایکٹ، پلاٹ کی ترتیب، نمائش کا مقصد، اس کا تصور، انشا اور زبان، اسٹیج سنیری، قدیم ہندی ڈراما نگار: کالی داس، سری ہوس دیو، بھو بھوتی، رام بھرو کنی کے ڈرامے، اُردو ڈراما نگار: آغا حسن امانت، مداری لال، طالب بنارسی، احسن، بیتاب لکھنوی، آغا حشر، حافظ عبداللہ اور میرزا نظیر بیگ کی ڈراما نگاری کے جائزے پر مبنی ہے۔ سید بادشاہ حسین کی کتاب ''اُردو میں ڈراما نگاری'' ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی۔ انھوں نے اس کتاب میں ڈرامے کی ابتدا، اقسام، اُردو ڈرامے کی ابتدا، اندر سبھا، قدیم ڈراموں کی خصوصیات، شیکسپیئر کے تراجم، قدیم ناٹک کمپنیاں، جدید ڈرامے کے پیش رو اور اُردو ڈرامے کے مستقبل پر روشنی ڈالی ہے۔ اُنھوں نے ڈرامے کو قدیم، متوسط اور جدید ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ وہ ڈرامے کی ترقی نہ کرنے کے اسباب میں ڈرامے کے عوامی ہونے، ڈراما نگاروں کا نیم خواندہ ہونے اور کمپنیوں کے پیسہ کمانے کے اغراض گنواتے ہیں۔ ڈرامے کے عناصر کا پہلی مرتبہ مفصّل جائزہ سامنے آیا، تصادم

کی بحث، خود کلامی، مکالمہ، کردار نگاری کے باطن کی سیرت کشی اور ہیرو کی خصوصیات کو نمایاں کیا ہے۔ اُردو ڈراما کی ابتدا کو ہندو دیو مالا کی دین قرار دیتے ہیں۔ امانت کے اندر سبھا کو اُردو کا پہلا ڈراما گردانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اندر سبھا، واجد علی شاہ کی فرمائش پر نہیں لکھی گئی اور نہ کسی فرانسیسی کی تجویز پر تحریر ہوا اور نہ ہی قیصر باغ میں کھیلا گیا۔ طرز قدیم کے علم برداروں میں رونق بنارسی، حسین میاں ظریف، حافظ عبد اللہ، مرزا نظیر بیگ، طالب بنارسی، احسن لکھنوی، بیتاب لکھنوی، آغا حشر شامل کیے ہیں۔ محمد حسین آزاد، شوق قدروائی، عبدالحلیم شرر، باری، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی، محمد عمر نور الٰہی، سید عابد حسین، اشتیاق حسین قریشی، امتیاز علی تاج، شاہد احمد دہلوی، انصار ناصری، فضل حق قریشی، محمد مجیب، عظیم بیگ چغتائی اور سدرشن کے فن پر روشنی ڈالی ہے۔ ڈرامے کے فروغ کے لیے تجاویز بھی دیتے ہیں۔ عبد السّلام خورشید اُردو صحافت کی تنقید کا اہم نام ہے۔ ان کی ایک مختصر کتاب ''اُردو ڈراما'' ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۴۹ء میں صفدر آہ کی کتاب ''ہندوستانی ڈراما'' شائع ہوئی۔ انھوں نے مذکورہ کتاب میں اداکاری اور پیش کش کے حوالے سے جزرس بحث کی ہے۔ اس کتاب کے ماخذ اور انفرادیت کے حوالے سے صفدر آہ لکھتے ہیں:

> ''ہندوستانی ڈراما بالعموم وہی سمجھا جاتا ہے جس کی بنیاد اور اساس بھرت ناٹیہ شاستر ہے۔ یہ خیال بڑی حد تک درست بھی ہے۔ بھرت ناٹیہ شاستر کی دی ہوئی فنی روایات ہزاروں سال سے ہندوستان کے کلاسیکی عوامی ڈرامے کا رنگ، مزاج بنی ہوئی ہیں۔۔۔ بدلا ہوا زمانہ ہر آرٹ کی طرح ہندوستانی ڈرامے کے لیے بھی نئے نظریے مانگ رہا ہے اور ہمیں وقت کے اس تقاضے کو پورا کرنا ہے لیکن یہ نئے نظریے اگر بھرت ناٹیہ شاستر سے الگ ہو گئے تو ہندوستانی مزاج شاید انھیں قبول نہ کر سکے۔ اسی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر بھرت ناٹیہ شاستر کی روشنی میں میں نے ہندوستانی ڈرامے کی نئی فنی ضرورتوں پر غور کیا ہے۔'' [۱]

پچاس کی دہائی میں تین کتابیں سامنے آئیں۔ مسعود حسن رضوی ادیب نے

''اُردو ڈراما اور اسٹیج'' کے عنوان سے کتاب تحریر کی۔ یہ دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ ''لکھنؤ کا شاہی اسٹیج'' اور ''لکھنؤ کا عوامی اسٹیج'' یہ دونوں حصے ۱۹۵۷ء میں منظر عام پر آئے۔ ''لکھنؤ کا شاہی اسٹیج'' اُردو ڈراما اور اسٹیج کے عنوان سے شائع ہوا۔ بعد ازاں یہ الگ عنوان سے بھی شائع ہوتی رہی۔ پہلے حصے میں واجد علی شاہ کا تعارف، لکھنؤ میں شاہی ڈرامے کی ابتدا، رہس کی صورتیں، شاہی رہس کا ساز و سامان، کلکتے میں شاہی رہس کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ رادھا کنہیا کا فن بھی اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب میں مسعود حسن رضوی ادیب نے تیرہ قلمی کتب سے مدد لے کر اسے ایک تحقیقی شاہ کار بنا دیا ہے۔ یہ کتاب واجد علی شاہ کے حوالے سے سوانحی آثار کو بھی سامنے لاتی ہے۔ واجد علی شاہ کی معزولی کے حوالے سے انگریزوں کے الزامات اور اسباب کو رد کیا ہے۔ ان کی اس کتاب میں واجد علی شاہ کے معروف اور مسلّم نقش کے برعکس بادشاہ نظر آتے ہیں۔ واجد علی شاہ حوصلہ مند، عالم، مہذّب، منکسر المزاج، رحم دل انسان دکھائی دیتا ہے جو محکموں اور ملازموں کو بھی دوستانہ خطوط لکھتا ہے، مساوات کا قائل ہے۔ رادھا کنہیا کو اُردو کا پہلا ڈراما قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیوں کا بھی ازالہ کرتے ہیں۔ ''لکھنؤ کا عوامی اسٹیج'' میں امانت کے تعارف کے ساتھ اندر سبھا کا فنی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں اندر سبھا کا متن بھی دیا گیا ہے۔ عشرت رحمانی کی کتاب ''اُردو ڈراما: تاریخ و تنقید'' بھی ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ڈرامے کے فن اور تاریخ ہر دو حوالے سے تحقیقی و تنقیدی کتاب ہے۔ اُنھوں نے ڈرامے کے اجزائے ترکیبی، اقسام، تھیٹر اور ہندوستان میں ڈرامے سے قبل صورتوں کو مدلل انداز میں تحریر کیا ہے۔ اُردو ڈرامے کی تاریخ کو؛ بنگال اور بمبئی میں تھیٹر کی روایت، تھیٹر کے زوال، ادبی ڈرامے، یک بابی ڈرامے اور ریڈیائی ڈرامے کے زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پاک و ہند میں ڈرامے کی ابتدا اور فروغ کے محرکات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ ساٹھ کی دہائی میں تین کتابیں سامنے آئیں۔ عبدالعلیم نامی کی ''اُردو تھیٹر'' ۱۹۶۲ء میں سامنے آئی۔ یہ چار جلدوں پر مبنی ہے۔ پہلی تین جلدیں ۱۹۶۲ء میں جب کہ چوتھی جلد ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ بنیادی

طور پر ان تمام جلدوں میں اُردو ڈرامے کی تاریخ کو سمویا گیا ہے۔ پہلی جلد میں اُردو ڈرامے کی ابتدا، انگریزوں کے ہندوستان پر تمدنی اور سیاسی اثرات، انگریزی، مرہٹی، گجراتی اور اُردو ڈرامے، شیکسپیئر کے اُردو تراجم، منظوم، طلسماتی، مغربی، تاریخی، سیاسی، اصلاحی، تبلیغی، مزاحیہ، مختصر اور ریڈیائی ڈرامے، مذہب اور تاریخی بیانیوں کو موضوع بنایا ہے۔ دوسری جلد میں؛ اُردو ڈرامے کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور ۱۸۵۳ء تا ۱۸۸۵ء، دوسرا دور ۱۸۸۵ء تا ۱۸۹۵ء اور تیسرا دور ۱۸۹۵ء تا ۱۹۲۰ء بنایا ہے۔ ہر دور کے اہم ڈراما نگاروں اور ڈراما نگاری کے رجحانات کو نمایاں کیا ہے۔ مثلاً پہلا دور پارسی ڈراما نگاروں پر مبنی ہے اور اس دور کے ڈرامے اخلاقی اور اصلاحی نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ ہر ڈرامے پر قلم اٹھایا ہے۔ یہ تحقیقی و تنقیدی حوالے سے اہم کام ہے۔ پردہ اخفا میں موجود ڈراموں کو پہلی بار سامنے لائے ہیں۔ تیسری جلد میں اُردو ڈرامے کو چوتھے اور پانچویں دور میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چوتھا دور ۱۹۲۰ء تا ۱۹۳۰ء اور پانچواں دور ۱۹۳۰ء تا ۱۹۶۰ء بنایا گیا ہے۔ پانچویں دور پر مفصّل بحث کی گئی ہے۔ رومانی اور ترقی پسند ڈراما نگار سامنے آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ریڈیائی اور ادبی ڈرامے کی روایت بھی منظر پر آتی ہے۔ اُردو تھیٹر کی چوتھی جلد ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ جلد تھیٹریکل کمپنیوں کا ۱۸۵۳ء تا ۱۹۳۰ء تک کا احاطہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کی کتابوں کے حوالے سے ابراہیم یوسف لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے اردو تھیٹر کے نام سے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ دیباچے میں فرماتے ہیں: ''میں نے اپنا مقالہ بنیادی اصولوں کی بنیاد پر لکھنے کی کوشش کی ہے اور اس میں تبصرہ اور ذاتی رائے سے احتراز کیا ہے۔'' وہ بنیادی اصول کیا ہیں اس پر روشنی نہیں ڈالی گئی اور ذاتی رائے دینے سے کیوں احتراز کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ بھی نہیں بتلائی گئی۔ ڈاکٹر نامی ہندوستان کے لوک ناٹک کے قائل نہیں یہاں تک وہ اندر سبھا کو ڈراما تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور واجد علی شاہ کے ''رادھا کنہیا کا قصہ'' کا ذکر تک نہیں کرتے۔'' [۲]

عشرت رحمانی کی کتاب ''اُردو ڈرامے کا ارتقا'' اضافوں کے بعد ۱۹۶۴ء میں دوبارہ منظرِ عام پر آئی۔ عبدالعلیم نامی کی کتاب ''ببلو گرافیا اُردو ڈراما'' ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کی آٹھ جلدوں کی اشاعت ۱۹۷۰ء تک ہوئی۔ انھوں نے انیسویں صدی کے ڈراموں تک رسائی کے لیے لائبریریوں کی خاک چھانی ہے۔ یہ اُردو ڈرامے کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی تحقیق ہے۔ پہلی جلد میں مصنّف کی الف بائی ترتیب سے ڈراموں کی فہرست مرتب کی گئی ہے اور ڈراموں کے ساتھ سن اشاعت بھی درج کیا گیا ہے۔ دوسری جلد ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔ اس جلد میں ڈراموں کی الف بائی ترتیب کے ساتھ ڈراما نگار اور سن اشاعت کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس تحقیقی کام کے لیے اُنھوں نے جن لائبریریوں سے مدد لی ہے اُن کی بھی تفصیل دیباچے میں درج کی گئی ہے۔ اُردو ڈرامے پر لکھی جانے والی کتابوں کا تعارف بھی الف بائی ترتیب کے تحت ہی لکھا گیا ہے۔

ستر کی دہائی کے ڈرامے کے ناقدین میں؛ اسلم قریشی، فصیح احمد صدیقی، حاتم رام پوری، عطیہ نشاط، اخلاق اثر، قمر اعظم ہاشمی اور سید حسن کے نام شامل ہیں۔ اسلم قریشی کی کتاب ''ڈرامے کا تاریخی و تنقیدی پس منظر'' ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ یورپ میں ڈرامے کی نظریات؛ ارسطو، لاطینی، اطالیہ اور فرانسیسی ڈرامائی نظریات، عرب اور ایران میں ڈرامے کے تصور، پراکرت، سنسکرت ڈراما، رس، بھاکو، ایکٹ، اجزائے ڈراما، منظر، کردار، اسلوب، زبان، اسٹیج اور لباس، وحدت زمان و مکاں، داخلی و خارجی عناصر پر مفصّل قلم آرائی کی ہے۔ اُردو ڈرامے پر سنسکرت ڈرامے کے اثرات بھی بیان کیے ہیں۔ اُردو ڈرامے کے بارے میں رائج چھ نظریات سے بات شروع کی ہے اور اُردو ڈرامے کے آغاز کے محرکات اور ڈراما کی تنقید پر بحث کی ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب ڈرامے کے نظری مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ کچھ ناقدین اُردو ڈرامے کو برطانوی دور کی ڈرامے کی روایت کا نتیجہ کہتے ہیں اور کچھ کے نزدیک اُردو ڈراما، سنسکرت ڈرامے کا زائیدہ ہے جب کہ اسلم قریشی کے نزدیک اُردو ڈراما اپنے عہد کے معاشرتی اور ادبی تقاضوں کا رہینِ منت ہے۔ اُنھوں نے ڈرامے کے تکنیکی جائزے میں پلاٹ

اور کردارنگاری پر عمدہ بحث کی ہے۔اس کتاب کے حوالے سے اے بی اشرف لکھتے ہیں:

> ''جناب محمد اسلم قریشی کی کتاب ''ڈرامے کا تاریخی وتنقیدی پس منظر'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے اُردو کے ڈرامائی تنقیدی اور تحقیقی ادب میں ایک وقیع کتاب کا درجہ رکھتی ہے لیکن کسی لحاظ سے بھی اردو ڈرامے کے ارتقا کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس کا میدان مختلف ہے۔عشرت رحمانی صاحب کی کتاب ''اردو ڈراما کا ارتقا'' البتہ اس سلسلے کی واحد کتاب ہے جو اردو ڈرامے کی ارتقائی تاریخ پر لکھی گئی ہے لیکن یہ کتاب اپنی تمام تر اہمیت و وقعت کے باوجود تحقیقی و علمی نقطہ نظر سے مستند کتاب نہیں ہے کیوں کہ عشرت رحمانی نے نہ تو کوئی حوالہ درج کیا نہ سند پیش کی ہے،ان کی کوئی بات (خواہ وہ کتنی وقیع کیوں نہ ہو) مستند نہیں ہے کہ کسی کا بھی حوالہ موجود نہیں۔''[۳]

اس دہائی میں فصیح احمد صدیقی کی چار کتابیں شائع ہوئیں۔ان میں ''اُردو کا پہلا یک بابی ڈراما'' ۱۹۷۲ء، ''اُردو کا یک بابی ڈراما: آزادی سے قبل'' ۱۹۷۲ء اور ''اُردو کا یک بابی ڈراما: آزادی کے بعد'' ۱۹۷۳ء اور ''اُردو کا یک بابی ڈراما: تکنیک اور تمثیل'' ۱۹۷۳ء شامل ہیں۔فصیح احمد صدیقی کی کتاب ''اُردو کا پہلا یک بابی ڈراما'' ۱۹۷۲ء میں سامنے آئی۔اس کتاب میں قدیم ہندوستانی ڈراما: بھرت منی اور ناٹیہ شاستر، سنسکرت اور پراکرت ڈراما کا زوال، اُردو ڈرامے کی ابتداء، رہس کی روایت، واجد علی شاہ کے احسانات، اور اُردو کے پہلا ڈراما کے ضمن میں گوپی چند اور جالندھر، خورشید، اندرسبھا اور رادھا کنہیا پر بحث کی ہے۔فصیح احمد صدیقی نے ڈرامے کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی چیز بنانے پر بھی بہت زور دیا ہے۔وہ یک بابی ڈرامے کو پانچ منٹ سے لے کر ایک گھنٹے کے دورانیے پر محیط سمجھتے ہیں۔وہ سنیمٹیک تکنیک کے تحت تین یا پانچ ابواب کے ڈرامے کے تاثر کو یک بابی ڈرامے سے مماثل کرنے کا ذریعہ کہتے ہیں۔اُردو کا پہلا یک بابی ڈراما رادھا کنہیا کو قرار دیتے ہوئے اس کا فنی و تکنیکی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔فصیح احمد صدیقی کی ایک اور کتاب ''اُردو کا یک بابی ڈراما: تکنیک اور تمثیل'' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔یہ کتاب یک بابی ڈرامے کے فکری، فنی اور تکنیکی مطالعے پر مبنی ہے۔

یک بابی ڈرامے کے ادبی پہلوؤں، مقاصد، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، تمثیلی پہلو، محلِ وقوع، ساز و سامان آرائش، اداکاری، ہدایت کاری پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یک بابی ڈرامے اور دیگر اصناف کی مماثلتوں، اختلافات، یک بابی ڈرامے کی اقسام، نشری، فلمی اور ٹیلی وژن یک بابی ڈراموں کو بھی مقالے کا جزو بنایا گیا ہے۔ اُردو یک بابی ڈرامے پر جس دقیق اور تحقیقی و تنقیدی نقطۂ نظر سے فصیح احمد صدیقی نے روشنی ڈالی ہے، یقیناً انتقادِ ڈراما کی روایت میں اُن کا نام اور کام منفرد پہچان اور شناخت کا حامل رہے گا۔ حاتم مہر رام پوری کی کتاب ''اُردو ڈرامے: ایک تنقیدی جائزہ'' بھی ۱۹۷۳ء میں سامنے آئی۔ ''اُردو ڈراما: روایت اور تجزیہ از عطیہ نشاط'' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اُردو ڈرامے کے پس منظری مطالعے میں سنسکرت اور یونانی ڈرامے کے اُصول، ہندوستان میں نوٹنکی، بھانڈوں کی نقلیں، راس و رام لیلا، یاترا اور شکنتلا پر بحث کی ہے۔ واجد علی شاہ کے رہس اور اندر سبھا کی روایت پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ عطیہ نشاط اُردو ڈرامے کو مغربی اثرات کی نظر سے دیکھتی ہیں اور پارسی تھیٹر کی ڈراما نگاری کی روایت پر مکمّل باب قلم بند کیا ہے۔ اس حوالے سے طالب بنارسی، احسن لکھنوی اور آغا حشر کاشمیری کے فن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ادبی ڈراما نگاروں کا الگ الگ مطالعہ کیا گیا ہے۔ بیسویں صدی کے ڈرامے اور تھیٹر کی اہمیت، پارسی تھیٹر کے زوال، شوقیہ تھیٹر کے رواج، اشتیاق حسین قریشی، عابد حسین، امتیاز علی تاج اور محمد مجیب کا خصوصی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ جدید مغربی ڈرامے میں حقیقت پسند تھیٹر کے ردِ عمل اور اُردو ڈرامے میں نئے تجربات پر بحث کے ساتھ حبیب تنویر، کرشن چندر اور محمد حسن کا خصوصی مطالعہ بھی شامل ہے۔ اُنھوں نے اُردو ڈرامے کی روایت کا جائزہ، رجحانات کے تناظر میں لیا ہے۔ اسی لیے اُنھوں نے اُن اُردو ڈراموں کو موضوع بنایا ہے جو رجحان ساز یا نیا تجربہ ہیں۔

اس دہائی میں اخلاق اثر کی چار کتابیں شائع ہوئیں۔ ''ریڈیو ڈراما کی تاریخ'' ۱۹۷۵ء میں لکھی گئی۔ یہ ایک مختصر کتابچہ ہے جس میں وہ اُردو ریڈیو ڈرامے کو فن اور پیش کش کے اعتبار سے انگریزی ریڈیو ڈرامے کے قریب سمجھتے ہیں۔ ہندوستان میں ریڈیو نشریات کا آغاز

۱۹۲۷ء میں کلکتہ ریڈیو اسٹیشن سے ہوا۔ اُردو ڈرامے میں راوی، موسیقی، صوتی اثرات، بازگشت، فلیش بیک تکنیک کے استعمال کا ذکر کرتے ہیں۔ کرشن چندر کی کتاب ''دروازہ'' کو پہلا ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ دوسری کتاب ''ریڈیو ڈرامے کا فن'' ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ ریڈیو اور اسٹیج ڈرامے کے اشتراکات اور تکنیکوں کا بیان یوں کرتے ہیں:

> ''ریڈیو ڈراما بھی اسٹیج ڈراموں کی طرح اسٹیج کی چیز ہے اور ریڈیو سٹوڈیو اس کا سٹیج ہے۔ مختلف خوبیوں کے سٹوڈیو اور مائیکروفون فیڈر بورڈ کے ذریعے کنٹرول کیے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے پیش منظر، پس منظر، مبسوط منظر، دور منظر، قریب منظر، دوہرا عمل، ظاہر و باطن کو پیش کرنا ممکن ہے۔ طویل فاصلے اور زمانے پلک جھپکتے گزر جاتے ہیں۔ مناظر کے تواتر، فلیش بیک اور مونتاژ کے ذریعہ واقعات کو مختلف پہلوؤں سے، مختلف ترتیب سے اور مختلف انداز سے پیش کرنا ممکن ہے۔ ریڈیو ڈرامے فلم ڈراموں کی طرح چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں ریکارڈ کئے جاتے ہیں۔''[۴]

اس کتاب میں ریڈیائی اور اسٹیج ڈرامے میں فرق، ریڈیو ڈرامے کی خوبیاں و خامیاں اور ریڈیو ڈرامے کے فن اور تکنیک کو موضوع بنایا گیا ہے۔ صوتی اثرات، موسیقی، مکالمہ، بلندی و پستی، ڈرامائی مفاہمت کی تکنیک، فیڈ اِن، فیڈ آؤٹ، کراس فیڈ، پیش منظر، مبسوط منظر (Panoramic scene)، دور منظر (Long short)، مخصوص منظر (Close up)، فلیش بیک، ایک طرف گفتگو (A side)، خود کلامی، ڈرامائی طریقے: اظہار و اخفا، متوازیت، تضاد اور ڈرامائی ایہام، واقعاتی ایہام، کراس سیکشن مونتاژ، اور حقیقی، ماحولی، تشریحی، اشاراتی، نقلی، شناختی، ربطی اصوات پر بحث ملتی ہے۔ ریڈیائی ڈرامے کے فن اور تکنیک کے حوالے سے یہ پہلی مبسوط کتاب ہے۔ اسی سال اُن کی ایک اور کتاب ''اُردو ڈرامے کا مطالعہ'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب ڈرامے پر لکھے گئے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ ڈراما اور پیش کش، ہدایت کاری، ریڈیو اور اسٹیج ڈراما، اُردو کا پہلا ڈراما جیسے مضامین تحقیقی و تنقیدی نوعیت کے حامل ہیں۔ اُن

کے نزدیک ہدایت کاری میں ابتدائی ریہرسل میں مکالموں کے تلفّظ اور صدا کاروں کی صلاحیت دیکھی جاتی ہے۔ مکالموں کی تبدیلی، صوتی اثرات اور موسیقی کا تجزیہ، ڈراما نگار، نغمہ نگار، انجینئر اور صوت کار کی موجودگی میں طے پاتے ہیں۔ دوسری ریہرسل میں تمام توجہ مکالموں کی ادائیگی پر ہوتی ہے۔ ہدایت کار کے اوصاف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ افسانہ اور ناول ریڈیو ڈراما روپ کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ اُنھوں نے مختلف ناقدین کی پہلے ڈرامے کے بارے میں تحقیق کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس دہائی کی اُن کی چوتھی کتاب ''اُردو کا پہلا ڈراما'' ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اُردو کے پہلے ڈرامے کے مباحث پر مبنی چار مضامین بھی ہیں جو اُن کی گزشتہ کتاب ''اُردو ڈرامے کا مطالعہ'' میں شامل تھے۔ حتیٰ کہ دیباچہ بھی اُسی کتاب کا شامل کر دیا گیا ہے۔ قمر اعظم ہاشمی کی کتاب ''اُردو ڈراما نگاری'' ۱۹۷۵ء میں سامنے آئی۔ ''بہار کا اُردو اسٹیج اور اُردو ڈراما'' از سید حسن ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں بہار کے اُردو اسٹیج پر تین مضامین اور احمد سہیل، رحمان مذنب، رونق، احسن اور ظریف کا خصوصی مطالعہ شامل ہے۔

اسّی کی دہائی کے اہم ناقدین میں؛ اخلاق اثر، اسلم قریشی، ظہور الدین، اے بی اشرف اور رضی عابدی شامل ہیں۔ اخلاق اثر کی دو کتابیں ''ریڈیو ڈرامے کی اصناف''، ''نشریات اور آل انڈیا ریڈیو'' بالترتیب ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئیں۔ ''ریڈیو ڈرامے کی اصناف'' میں اصناف: ریڈیو ڈراما روپ، ریڈیو ڈراما مونو لاگ، ریڈیو فیچر، ریڈیو ڈاکومینٹری، مزاحیے اور رپوتاژ پر مضامین شامل ہیں۔ ''نشریات اور آل انڈیا ریڈیو'' مختصر کتابچہ ہے۔ اس کتابچے میں نشریات کی تاریخ، ریڈیو اور تھیٹر، صحافت، موسیقی، ٹیلی وژن سے تعلّق اور نشریات کی تنقید کے ساتھ آل انڈیا ریڈیو میں نشریات کا آغاز، قوانین اور خدمات کو بیان کیا ہے۔ اسلم قریشی کی بھی دو کتابیں ''اُردو ڈرامے میں نئے رجحانات'' اور ''برصغیر کا ڈراما'' بالترتیب ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئیں۔ ''اُردو ڈرامے میں نئے رجحانات'' میں اندر سبھا کی روایت، بمبئی میں جدید ڈراما، نیم تاریخی و تاریخی، سیاسی، نظریاتی،

ادبی، فلمی اور ریڈیو ڈرامے پر مضامین کے ساتھ بچوں کے ڈرامے، کامک، اسٹیج کی نئی تکنیکوں اور رجحانات پر لکھا گیا ہے۔''بچوں کی اندر سبھا'' کاوس جی نے بمبئی میں ۱۸۷۳ء میں پیش کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بچوں کے ڈراما میں فروغ کے کردار پر بھی بحث کی ہے۔ وقت اور زمانے کے اعتبار سے پوشاکیں تبدیل کرنے، مشینوں کے ذریعے منظر نگاری اور میکانکی مناظر کی تکنیک کا آغاز ۱۸۷۱ء سے ہوا۔ ۱۹۳۰ء کے بعد ڈراما نگاروں کا فلمی دنیا کے لیے شاہ کار تخلیق کرنے کا رجحان بڑھا، آغا حشر، پریم چند، حکیم احمد شجاع، امتیاز علی تاج، سعادت حسن منٹو اور خواجہ احمد عباس کا بہ طور خاص ذکر کیا ہے۔''برصغیر کا ڈراما'' تاریخ، افکار اور انتقاد پر مبنی کتاب ہے۔ اس کتاب میں کلاسیکی ڈرامے کے اُصول، ایکانکی ڈراما، تماشا اور تماشائی ایسے افکار کے ساتھ حافظ عبداللہ، امیر جان ادا کی ڈراما نگاری کا انتقادی جائزہ پیش کیا ہے۔ پانچ مضامین اندر سبھا کے فنی اور تنقیدی جائزے پر محیط ہیں۔ ۱۹۸۴ء میں شاہد حسین کی کتاب ''اندر سبھا کی روایت'' شائع ہوئی۔ وہ اندر سبھا کو مغربی اُصولوں کی بجائے ہندوستانی اُصولوں پر پرکھنے پر زور دیتے ہیں۔ اندر سبھائی روایت پر یہ پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب میں اندر سبھا سے قبل ہندوستان کی ڈرامے کی روایت، اندر سبھا کا تجزیہ اور اُردو ڈرامے پر اندر سبھا کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ اندر سبھا کے ادبی، فنی و تکنیکی تجزیے کے ساتھ بحیثیت غنائیہ بھی اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ظہور الدین کی دو کتابیں؛''حقیقت نگاری اور اُردو ڈراما'' اور ''جدید اُردو ڈراما'' بالترتیب ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئیں۔''حقیقت نگاری اور اُردو ڈراما'' میں حقیقت نگاری کی مغربی تحریک کے مباحث، حقیقت نگار ڈرامے کے اجزائے ترکیبی اور حقیقت نگار اُردو ڈراما نگاروں: کرشن چندر، پروفیسر مجیب اور کرتار سنگھ دگل کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔ حقیقت نگار ڈرامے میں؛ انسانی آزادی، زندگی کی صحیح اور سچی عکاسی، مسرّت کی تلاش، درمیانی طبقے کی گھریلو زندگی، طبقاتی تضاد و کشمکش، مرکزی پلاٹ کے ساتھ ضمنی پلاٹ، انکشافات کے ذریعے منفرد تاثرات ابھارنا، منطقی واقعات کی پیش کش، زندگی اور کائنات سے متعلّق فن کار کی ذاتی رائے سے انحراف، فلسفیانہ مباحث میں الجھنے سے گریز،

انسانی عمل کا منبع، شعور و ادراک، اور طنز بہ حیثیت موثر ہتھیار، سائنسی انکشافات برتنا، ہم عصر درمیانی اور نچلے طبقے کے کردار، ماحول کے خلاف بر سر پیکار کردار (بغاوت)، پرانی اور نئی قدروں کے تصادم کی پیش کش کرنے والے، کردار اپنی ذات کی تلاش و جستجو میں انہماک جیسے اجزائے ترکیبی کا مفصّل بیان کرتے ہیں۔ ترقی پسند ڈرامے کے حوالے سے یہ پہلی عمدہ کاوش ہے۔ ''جدید اُردو ڈراما'' میں یورپی رجحانات کی روشنی میں جدید اُردو ڈرامے کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ نو ڈراموں کا ایپک تھیٹر اور چھ ڈراموں کا لایعنی ڈرامے کے تناظر میں خصوصی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مقصد کی بابت لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر عطیہ نشاط کے سوائے اور کسی مصنّف نے جدید اردو ڈرامے پر قلم نہیں اٹھایا ہے لیکن موصوفہ نے بھی بس سرسری طور پر ہی چند صفحات میں ڈرامے کے ان نئے رجحانات کا ذکر کر دیا ہے۔ ان عناصر سے بحث نہیں کی جو دراصل ایپک اور ابسرڈ تھیٹرز کی بنیادی شناخت ہیں اور جن کے بغیر ڈرامے کی ان روایتوں کو نہ تو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ سمجھایا جا سکتا ہے۔ ان رجحانات سے کما حقہٗ واقف ہونا جدید اردو ڈرامے کے طالب علم کے لیے اتنا ہی ضروری ہے کہ جتنا کلاسیکی ڈرامے کو سمجھنے کے لیے ارسطو کے نظریات سے روشناس ہونا۔ بیسویں صدی کے یورپی ڈرامے نے نظریاتی اور فنی اعتبار سے یوں تو بہت سے انقلابات دیکھے ہیں لیکن ایسے تجربے کہ جنھوں نے اردو ڈرامے کو نئے آفاق سے ہم کنار کیا ہے۔ ان میں ایپک تھیٹر اور ابسرڈ تھیٹر خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ چناں چہ زیر نظر مقالے میں ۱۹۵۰ء کے بعد لکھے گئے انھیں اردو ڈراموں سے بحث کی گئی ہے کہ جو ان رجحانات کے دائرے میں آتے ہیں۔'' [۵]

احمد سہیل کی کتاب ''جدید تھیٹر'' ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دس مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین میں؛ پاکستانی تھیٹر، ریڈیو ڈراما، ٹی وی ڈراما، جدید نفسیاتی تھیٹر اور لاطینی تھیٹر، مغرب کا تھیٹر اہم ہیں۔ ''اُردو ڈرامے کی ابتدا'' کے تحت اُردو کے پہلے ڈرامے کے حوالے سے مختلف ناقدین کی آرا کا جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب میں اُردو ڈرامے

سے زیادہ مغربی ڈرامے کے رجحانات اور روایت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ رحمان مذنب کی کتاب ''ڈراما اور تھیٹر'' بھی مغربی ڈرامے کی روایت کو ہی سامنے لاتی ہے۔ ارسطو کو ڈرامے کا پہلا نقاد قرار دے کر اُس کے نظریات کی وضاحت کی ہے۔ عالمی منظوم ڈراما، اُردو ڈرامے، فلمی ڈرامے اور بچوں کے ڈرامے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اے بی اشرف کی کتاب ''اُردو اسٹیج ڈراما'' ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ڈرامے کے فن اور ڈرامے کی قدیم و جدید روایت پر مبنی ہے۔ ادبی ڈراما نگاری اور اہم ڈراما نگاروں کا خصوصی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اُردو ڈرامے کی روایت کو جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ کتاب کے دیباچے میں ڈرامے کی تنقید کا مدلل احاطہ ملتا ہے۔ ''مغربی ڈراما اور جدید ادبی تحریکیں'' از رضی عابدی ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ مغرب کے انقلابی، وجودی، لایعنی اور امریکی ڈراما کے رجحانات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

نوّے کی دہائی کے اہم ناقدین میں؛ ملک حسن اختر، سید وقار عظیم، شاہد حسین، وجے دیوسنگھ، رشید احمد گوریجہ، ظہیر انور اور زاہدہ زیدی کے اسما اہم ہیں۔ ملک حسن اختر کی اُردو ڈرامے کی مختصر تاریخ، ۱۹۹۰ء میں سامنے آئی۔ یہ کتاب طالب علمانہ اور تدریسی نوعیت کی ہے۔ مشتاق احمد کی ''بنگال میں اُردو ڈراما'' بھی اسی سال شائع ہوئی۔ اس دہائی میں سید وقار عظیم کی تین کتابیں ''چند قدیم ڈرامے''، ''اُردو ڈراما: فن اور منزلیں'' اور ''اُردو ڈراما: تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ'' بالترتیب ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئیں۔ ''چند قدیم ڈرامے: تعارف و تجزیہ'' میں خورشید از ایدل جی کھوری کو اُردو کا پہلا نثری ڈراما قرار دیا گیا ہے۔ پندرہ قدیم ڈراموں پر مضامین شامل ہیں۔ اہم ڈراموں میں چتر بکاؤلی، وادیٔ دریا، فتنہ و غانم، دورنگی دنیا، لیلیٰ مجنوں، شکنتلا، نگاہِ غفلت، راجا گوپی چند اور گل روزینہ شامل ہیں۔ ''اُردو ڈراما: فن اور منزلیں'' میں ڈراما اور یک بابی ڈراما کا فن اور ادبی قدریں، اندرسبھا پر پانچ مضامین، آغا حشر کے ڈراموں اور انارکلی کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ''اُردو ڈراما: تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ'' میں مذکورہ بالا دونوں کتابوں کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ تینوں کتابوں کے مرتب ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ہیں۔ اس دہائی میں شاہد حسین کی دو کتابیں ''عوامی روایات اور اُردو

ڈراما'' اور ''ڈراما: فن اور روایت'' بالترتیب ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئیں۔ ''عوامی روایات اور اُردو ڈراما'' میں پیش کش، ادبی اسلوب، موسیقی اور رقص پر عوامی اثرات سے بحث کی گئی ہے۔ شاہد حسین بھی اُردو ڈرامے کو مغربی ڈرامے کی بجائے سنسکرت کی دین سمجھتے ہیں۔ ناٹک اور دوسری اصناف میں بنیادی فرق پیش کش کا ہے۔ پیش کش کے اثرات؛ تخلیق، تصنیف، ساخت اور مکالموں پر پڑتے ہیں۔ اُردو ناٹک اور ڈرامے کے قصّے، کردار اور لوک عناصر کو مشترکہ تہذیبی ورثہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ڈرامے کی تنقید پر تنقید اور ڈرامے کی اہمیت کا اندازِ بیاں دیکھیے:

> ''بدقسمتی سے اردو ڈرامے کو ہی نہیں ان سبھی اصناف کو عزت و احترام نصیب نہیں ہوا جن کا سلسلہ عوام سے جڑا تھا۔ نظیرا کبرآبادی کے یہاں شیفتہ جیسے ذمہ دار تذکرہ نگار کو ''بازاری پن'' نظر آیا کیوں کہ ان کا لہجہ عوامی تھا۔ نجم الغنی جیسے مورخ بادشاہ وقت واجد علی شاہ پر ان کی عوامی دلچسپیوں کی وجہ سے برابر نکتہ چینی کرتے رہے۔۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سارے سرچشمے جن میں لوک روایت بکھری ہوئی تھی اور جن کے عناصر نے اردو ڈرامے کی شکل میں اظہار پایا، بے سراغ رہے۔ اس سے نہ تو رشتہ قائم کیا گیا، نہ تجزیے کی کوشش کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ڈرامے کے نقاد اس کی روح، اس کے معیار اور اقدار کو پہچاننے میں ناکام رہے ہیں اور اس پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں۔ کسی کو شکوہ ہے کہ اس میں یورپی طرز کی حقیقت نگاری نہیں کسی کا خیال ہے کہ اس میں تسلسل کی کمی ہے، کچھ کا یہ بھی فرمان ہے کہ اردو ڈرامے اسٹیج کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتے۔ کچھ کا خیال ہے کہ اس میں فلسفیانہ گہرائی یا سنجیدگی کی کمی ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا کسی دور، کسی علاقے اور کسی مخصوص ادب کے مزاج کو سمجھے بغیر کوئی فیصلہ کسی صنف پر نافذ کیا جا سکتا ہے؟'' [٦]

''ڈراما: فن اور روایت'' میں اُردو ڈراما، سلور کنگ کا خصوصی مطالعہ، انارکلی اور محمد مجیب کے ڈراموں کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ابراہیم یوسف کی مختصر کتاب ''اُردو ڈرامے

کی تنقید کا جائزہ'' میں چودہ ناقدین کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ اُردو ڈرامے کی تنقید کا ادھورا مطالعہ ہے۔ شاہد رزمی کی کتاب ''اپٹا اور اُردو ڈراما'' ۱۹۷۵ء میں سامنے آئی۔ اس میں ''اپٹا'' ڈرامے کی تنظیم کے ڈراما نگاروں، فن کاروں، فن تکنیک اور پیش کش کے تجربات کا بیان کیا گیا ہے۔ ظہیر انور کی کتاب ''ڈراما: فن اور تکنیک'' ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں فن اداکاری، تھیٹر میں رنگ، روشنی اور سائے کی اہمیت، زبان اور ناظرین کی نفسیات، جیسے فنی مباحث پر روشنی ڈالی ہے۔ اُردو، بنگلہ اور مغربی تھیٹر کا خصوصی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ مخمور سعیدی کی مرتبہ ''تھیٹر آج اور کل'' ۱۹۹۵ء بھی اہم کتاب ہے۔ وجے دیو سنگھ کی مختصر کتاب ''اُردو اسٹیج ڈراما'' ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ اس مختصر کتاب میں ہندوستانی اور اُردو اسٹیج ڈرامے کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ رادھا کنہیا، اندر سبھا، انارکلی اور حبہ خاتون جیسے ڈراموں کا خصوصی مطالعہ کیا گیا ہے۔

رشید احمد گوریجہ کی کتاب ''اُردو میں یک بابی ریڈیو ڈراما'' ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں یک بابی اور ریڈیائی ڈرامے کے فن، پس منظر، اور تاریخ (تقسیم سے پہلے اور آزادی کے بعد) پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں یک بابی ڈراموں کی مصنّف وار اور ڈراما وار فہرست بھی دی گئی ہے۔ یہ پاکستان میں یک بابی ڈرامے کی پہلی تاریخ ہے۔ شبانہ نذیر کی کتاب ''اُردو اوپیرا'' ۱۹۹۷ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب میں غنائیہ ڈرامے کے اجزائے ترکیبی پر مفصّل روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ مغربی اور ہندوستانی اوپیرا کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ اُردو کے چند اوپیرا نگاروں ساغر نظامی، سلام مچھلی شہری، رفعت سروش، شہاب جعفری اور منظور الامین کا خصوصی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔ زاہدہ زیدی کی کتاب ''جدید مغربی ڈرامے کے اہم رجحانات'' بھی ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ اس مختصر کتابچے میں جدید مغربی ڈرامے کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ محمد قاسم کی کتاب ''اُردو ڈراما نگاری کے ارتقا میں بہار کا حصہ'' ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ بہار کے دو ڈراموں ''سجاد سنبل'' اور ''شمشاد و سلوسن'' کی کمیابی کے تذکرے کے ساتھ تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

اکیسویں صدی میں اُردو ڈرامے کی تنقید میں محمد کاظم، شہناز صبیح، فرغانہ، فصیح احمد صدیقی، شبانہ نسرین، زین الدین، شکیل اختر، کنول ڈبائیوی، محمد سلمان بھٹّی اور محمد نوید کے نام سامنے آتے ہیں۔ محمد کاظم کی تین کتابیں ''مشرقی ہند میں اُردو نکڑ ناٹک'' ۲۰۰۱ء، ''ہندوستانی نکڑ ناٹک اور اس کی سماجی معنویت'' ۲۰۰۶ء، اور ''بنگال میں اُردو نکڑ ناٹک'' ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئیں۔ ''مشرقی ہند میں اُردو کڑ ناٹک'' میں نکڑ ناٹک کی شعریات اور مشرقی ہند میں اُردو نکڑ ناٹک کی روایت بیان ہوئی ہے۔ شمیم حنفی اس کتاب کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''کاظم صاحب نے ڈرامے کی صنف کے بھی ایک نسبتاً نیم روشن پہلو کو اپنی توجہ اور مطالعے کا موضوع بنایا ہے۔ نکڑ ناٹک کی معنویت میں اسٹیج ڈرامے کے زوال کے باوجود برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ مغرب میں وقوعوں (Happenings) کی طرح ہمارے یہاں مختلف علاقائی زبانوں میں نکڑ ناٹکوں کی طرف روز بروز توجہ بڑھ رہی ہے۔ ایک تو اس لیے کہ نکڑ ناٹک منڈلیاں کسی طرح کے ٹیم نام، اہتمام اور تکلّف کی روادار نہیں ہوتیں، اور ان کے مطالبات بھی انتہائی محدود ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ نکڑ ناٹک کی جڑیں اپنی اجتماعی دیسی روایت میں پیوست ہیں۔ ایک تیسری اور اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ادھر نئے لکھنے والوں میں سماجی ذمہ داری کا احساس بڑھ رہا ہے اور گرد و پیش کی حقیقتوں، مسئلوں اور تجربوں میں وہ زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔'' [۷]

محمد کاظم جدید نکڑ ناٹک کو احتجاجی پراپیگنڈہ ناٹک سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے مطابق ہندوستان میں پہلی مرتبہ نکڑ ناٹک ۱۹۳۳ء میں The Red Playes نے ''میرٹھ'' کے نام سے بنگال میں پیش کیا۔ جب کہ مشرقی ہند میں نکڑ ناٹک کا آغاز بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے آخر میں ہوئی۔ ''ہندوستانی نکڑ ناٹک اور اس کی سماجی معنویت'' میں نکڑ ناٹک کی ہندوستانی سماج کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اُن کے نزدیک ہندوستانی نکڑ ناٹک نے امیر غریب کے فرق کو ختم کر دیا ہے۔ سماج میں پھیلی برائیوں، فرقہ پرستی، دہشت پسندی،

بدامنی، عوام مخالف پالیسی، ایمرجنسی، فضائی آرودگی، خواندگی مہم کی تشہیر، خاندانی منصوبہ بندی، جان لیوا بیماریوں سے بچنے کی تلقین جیسے موضوعات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نکڑ ناٹک کے فروغ میں اپٹا کے کردار کو روشن کیا ہے۔ سماجی تبدیلیوں، پیش کش، ذریعہ اظہار اور آزادیٔ اظہار کے مسائل اور نکڑ ناٹک کے امکانات واضح کیے ہیں۔ بہار میں اُردو ڈراما آزادی کے بعد از محمد منصور انصاری، ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں بہار کے اہم ڈراما نگاروں کیشو را، اختر اورینوی، سہیل عظیم آبادی، شین مظفر پوری، ذکی انور سمیت چھبّیس ڈراما نگاروں کا خصوصی مطالعہ پیش کیا ہے۔ زین الدین حیدر کی کتاب ''اُردو کے اسٹیج ڈراموں کا فنی اور تنقیدی مطالعہ'' ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔ اُنھوں نے ڈرامے کا تاریخی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی پس منظر اور ڈرامے پر سماجی اثرات، ہندی، بنگالی اور سنسکرت اُردو ڈرامے کی روایت، اُردو ڈرامے پر انگریزی ڈراموں کے اثرات، طویل، یک بابی ڈرامے اور اہم اسٹیج ڈراموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسٹیج ڈرامے پر کم لکھا گیا ہے۔ عارف نقوی کی مختصر کتاب ''منظوم ڈرامے کی روایت'' ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔ ڈرامے کی زبان، ڈرامائی عناصر، منظوم ڈرامے کے ابتدائی نقوش اور اندر سبھا کے منظوم تمثیلوں کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔ فصیح احمد صدیقی اُردو ڈرامے کی تنقید کا اہم نام ہے۔ ڈرامے کے موضوع پر ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ ''انوار اُردو ڈراما'' ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ شہناز فصیح کی کتاب ''اُردو ڈراما آزادی کے بعد'' ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اُنھوں نے آزادی کے بعد اُردو ڈرامے کا مختلف رجحانات کے تناظر میں جائزہ لیا ہے۔ فسادات، تقسیم ہند، فرقہ پرستی اور سماجی مسائل پر مبنی ڈرامے کے حوالے سے اہم ڈراما نگاروں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اُردو ڈراما کے جدید اسالیب کے تحت ریڈیو، ٹیلی وژن، ایپک، لایعنی ڈراما، منظوم ڈراما، رقص، نکڑ ناٹک کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی ڈرامے، عظیم جنگوں، ترقی پسند تحریک، آزادی ہند، تقسیم ہند کے ڈرامے پر اثرات قلم بند کیے ہیں۔ ''اُردو ڈراما آزادی سے قبل'' فرغانہ کی کتاب ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔ اُنھوں نے یونانی، سنسکرت، مغربی ڈراما کے تعارف کے بعد واجد علی شاہ، بنگال، بمبئی اور دکن میں اُردو ڈراما کا

ارتقائی مطالعہ کیا ہے۔ ادبی ڈراموں، ایٹا اور ریڈیائی ڈراموں پر بھی تنقید کی ہے۔ فرغانہ کی ایک اور کتاب ''جدید اُردو ڈراما، ۱۹۴۷ء کے بعد'' ۲۰۱۵ء میں منظرِ عام پر آئی۔ ''دہلی میں تاریخی ڈراما نگاری از محمد رضی الرحمٰن'' ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی اور شبانہ نسرین کی کتاب ''آزادی کے بعد اُردو ڈراما'' ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی۔ شکیل اختر کی کتاب ''ریڈیائی ڈراما: تاریخ اور تکنیک'' ۲۰۱۵ء میں منظر عام پر آئی۔ پاکستان میں شمائلہ حسین، محمد سلمان بھٹّی اور محمد نوید کی کتابیں سامنے آئیں۔ شمائلہ حسین کی کتاب ''اُردو ڈرامے کے نمائندہ نسائی کردار'' میرزا ادیب، منٹو اور اشفاق احمد کے ڈراموں کے نسوانی کرداروں کا احاطہ کرتی ہے۔ محمد سلمان بھٹّی کی کتاب ''لاہور میں اُردو تھیٹر کی روایت اور ارتقاء'' اور محمد نوید کی کتاب ''اُردو اسٹیج ڈراما اور الحمرا آرٹس کونسل لاہور'' لاہور میں اُردو اسٹیج ڈرامے کی روایت کو سامنے لاتی ہیں۔ محمد نوید پاکستان کے پہلے مارشل لاء سے دوسرے مارشل لاء تک کے دور کو اسٹیج ڈرامے کا عہدِ زریں قرار دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ صفدر آہ، ہندوستانی ڈراما، دہلی: نیشنل بک ٹرسٹ، سن ندارد، ص۵

۲۔ ابراہیم یوسف، اردو ڈرامے کی تنقید کا جائزہ، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۱ء، ص۴۱

۳۔ اے بی اشرف، اردو اسٹیج ڈراما، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص۱۱

۴۔ اخلاق اثر، ریڈیو ڈرامے کا فن، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۷ء، ص۳۰۹

۵۔ ظہور الدین، جدید اردو ڈراما، نئی دہلی: ادارہ فکر جدید، ۱۹۸۷ء، ص۱۰

۶۔ شاہد حسین، عوامی روایات اور اردو ڈراما، نئی دہلی: حسین پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ص۹

۷۔ شمیم حنفی، پیش لفظ، مشرقی ہند میں اردو نکڑ ناٹک، محمد کاظم، نئی دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص۹۔۱۰

ڈراما پر لکھی جانے والی تنقیدی کتب کی فہرست

(الف)۔ ذیل میں اُردو ڈرامے کے نظری مباحث اور تاریخ و روایت کے حوالے سے جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں اُن کی زمانی ترتیب سے تفصیل پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ ڈراما پر ایک دقیق نظر، سید محمد حسین رضوی، مفید عام پریس، آگرہ، ۱۹۰۴ء

۲۔ ناٹک ساگر، نور الٰہی محمد عمر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۲۴ء

۳۔ اُردو میں ڈراما نگاری، سید بادشاہ حسین، شمس المطابع مشین پریس، دہلی، ۱۹۳۵ء

۴۔ اُردو ڈراما، عبدالسّلام خورشید، مکتبہ اُردو، لاہور، ۱۹۴۳ء

۵۔ ہندوستانی ڈراما، صفدر آہ، نیشنل بک ٹرسٹ، دہلی، ۱۹۴۹ء

۶۔ اُردو ڈراما اور اسٹیج، مسعود حسن رضوی ادیب، کتاب نگر، لکھنؤ، ۱۹۵۷ء

۷۔ لکھنؤ کا شاہی اسٹیج، مسعود حسن رضوی ادیب، کتاب نگر، لکھنؤ، ۱۹۵۷ء

۸۔ اُردو ڈراما: تاریخ و تنقید، عشرت رحمانی، اُردو مرکز، لاہور، ۱۹۵۷ء

۹۔ اُردو تھیٹر (پہلی جلد، دوسری جلد، تیسری جلد)، عبدالعلیم نامی، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۶۲ء

۱۰۔ ڈراما نگری کا فن، اسلم قریشی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۳ء

۱۱۔ اُردو ڈرامے کا ارتقا، عشرت رحمانی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۴ء

۱۲۔ ببلوگرافیا اُردو ڈراما (پہلی جلد)، عبدالعلیم نامی، اورینٹل کالج بک ڈپو، بمبئی، ۱۹۶۶ء

نوابی دربار: اردو کا پہلا نثری ادبی ڈراما، سید محمد آزاد، ممتاز منگلوری، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء

۱۳۔ ببلوگرافیا اُردو ڈراما (دوسری جلد، تیسری جلد)، اورینٹل کالج بک ڈپو، بمبئی، ۱۹۶۷ء

۱۴۔ ڈرامے کا تاریخی وتنقیدی پس منظر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء

۱۵۔ اُردو کا پہلا یک بابی ڈراما، فصیح احمد صدیقی، ادارۂ ادب اُردو، بمبئی، ۱۹۷۲ء

۱۶۔ اُردو کا یک بابی ڈراما: آزادی سے قبل، ادارہ ادب اُردو، بمبئی، ۱۹۷۲ء

۱۷۔ اُردو کا یک بابی ڈراما: آزادی کے بعد، ادارہ ادب اُردو، بمبئی، ۱۹۷۳ء

۱۸۔ اُردو کا یک بابی ڈراما: تکنیک اور تمثیل، ادارہ ادب اُردو، بمبئی، ۱۹۷۳ء

۱۹۔ اُردو ڈرامے: ایک تنقیدی جائزہ، حاتم مہر رام پوری، تعلیمی مرکز، پٹنہ، ۱۹۷۳ء

۲۰۔ اُردو ڈراما: روایت اور تجزیہ، عطیہ نشاط، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۷۳ء

۲۱۔ ریڈیو ڈراما کی تاریخ، اخلاق اثر، ریجنل کالج آف ایجوکیشن، بھوپال، ۱۹۷۵ء

۲۲۔ اُردو ڈراما نگاری، قمر اعظم ہاشمی، ادارہ توازن، دربھنگہ، ۱۹۷۵ء

۲۳۔ اُردو تھیٹر (چوتھی جلد)، عبدالعلیم نامی، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۷۵ء

۲۴۔ ریڈیو ڈرامے کا فن، اخلاق اثر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء

۲۵۔ اُردو ڈرامے کا مطالعہ، اخلاق اثر، ریجنل کالج آف ایجوکیشن، بھوپال، ۱۹۷۷ء

۲۶۔ اُردو کا پہلا ڈراما، اخلاق اثر، عصر پبلی کیشنز، بھوپال، ۱۹۷۸ء

۲۷۔ بہار کا اُردو اسٹیج اور اُردو ڈراما، سید حسن، کتاب خانہ، پٹنہ، ۱۹۷۸ء

۲۸۔ ریڈیو ڈرامے کی اصناف، اخلاق اثر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء

۲۹۔ اُردو ڈرامے میں نئے رجحانات، ایکوریٹ پرنٹرز، لاہور، ۱۹۸۱ء

۳۰۔ نشریات اور آل انڈیا ریڈیو، اخلاق اثر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء

۳۱۔ حقیقت نگاری اور اُردو ڈراما، ظہورالدین، سیمانت پرکاشن، دہلی، ۱۹۸۴ء

۳۲۔ اندر سبھا کی روایت، شاہد حسین، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۴ء
۳۳۔ اُردو کا پہلا نثری ڈراما، افضال الدین اقبال، علیم الدین پبلشرز، حیدر آباد، ۱۹۸۴ء
۳۴۔ جدید تھیٹر، احمد سہیل، ادارہ ثقافت پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء
۳۵۔ ڈرامے کے مبادیات، اسلم قریشی، نیشنل کونسل آف دی آرٹس، اسلام آباد س، ۱۹۸۵ء
۳۶۔ ڈرامے کی تکنیک، اسلم قریشی، اُردو ادبی اکیڈمی، راولپنڈی، ۱۹۸۵ء
۳۷۔ ڈراما: ایک جائزہ، اسلم قریشی، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۵ء
۳۸۔ المیہ۔ایک جائزہ، اسلم قریشی، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۵ء
۳۹۔ اُردو اسٹیج ڈراما، اے بی اشرف، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء
۴۰۔ طربیہ۔ایک جائزہ، اسلم قریشی، ادارہ ادبی اکیڈمی، راولپنڈی، ۱۹۸۶ء
۴۱۔ جدید اُردو ڈراما: ظہور الدین، ادارہ فکر جدید، نئی دہلی، ۱۹۸۷ء
۴۲۔ برصغیر کا ڈراما، اسلم قریشی، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء
۴۳۔ پاکستان میں اُردو ڈراما، اسلم قریشی، اُردو ادبی اکیڈمی، راولپنڈی، ۱۹۸۷ء
۴۴۔ مغربی ڈراما اور جدید ادبی تحریکیں، رضی عابدی، ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۷ء
۴۵۔ ڈراما اور تھیٹر، رحمان مذنب، رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ، لاہور، ۱۹۸۷ء
۴۶۔ لوک تھیٹر: سوانگ، افضل پروفیسر، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء
۴۷۔ بنگال میں اُردو ڈراما، مشتاق احمد، مغربی بنگالی اُردو اکادمی، کلکتہ، ۱۹۹۰ء
۴۸۔ اُردو ڈراما کی مختصر تاریخ، ملک حسن اختر، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۰ء
۴۹۔ چند قدیم ڈرامے، سید وقار عظیم، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۲ء
۵۰۔ اُردو ڈراما: فن اور منزلیں، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۲ء
۵۱۔ عوامی راویت اور اُردو ڈراما، شاہد حسین، حسین پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء
۵۲۔ ڈراما: فن اور روایت، شاہد حسین، حسین پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

۵۳۔ اُردوڈرامے کی تنقید کا جائزہ، ابراہیم یوسف، نئی آواز پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

۵۴۔ اُردوتھیٹر: کل اور آج، مرتب مخمور سعیدی، انیس اعظمی، اُردو اکیڈمی، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء

۵۵۔ ایٹااور اُردوڈراما، شاہد رزمی، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء

۵۶۔ اُردو اسٹیج ڈراما، وجے دیو سنگھ، انیس آفیسٹ پرنٹرز، دہلی، ۱۹۹۶ء

۵۷۔ اُردوڈراما: تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ، سید وقار عظیم، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء

۵۸۔ اُردو میں یک بابی ریڈیوڈراما، رشید احمد گوریجہ، بیکن بکس ملتان، ۱۹۹۶ء

۵۹۔ ڈراما: فن اور تکنیک، ظہیر انور، شرجیل آرٹس پبلی کیشنز، کلکتہ، ۱۹۹۶ء

۶۰۔ اُردو اوپیرا، شبانہ نذیر، شبانہ پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء

۶۱۔ اُردوڈراما نگاری کے ارتقا میں بہار کا حصہ، محمد قاسم، بہار اُردو اکیڈمی، پٹنہ، ۱۹۹۷ء

۶۲۔ جدید مغربی ڈرامے کے اہم رجحانات، زاہدہ زیدی، سید عابد حسین میموریل ٹرسٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء

پاکستان کا ٹیلی ویژن ڈراما اور سماجی تبدیلیاں، نسرین پرویز، شعبہ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، ۱۹۹۹ء

۶۳۔ اُردو کے اسٹیج ڈراموں کا فنی اور تنقیدی مطالعہ، زین الدین حیدر، زین پبلی کیشنز، کان پور، ۲۰۰۰ء

۶۴۔ بہار میں اُردوڈراما آزادی کے بعد، محمد منصور انصاری، سلسلہ خانقاہ منعمیہ قمریہ، پٹنہ، ۲۰۰۰ء

۶۵۔ مشرقی ہند میں اُردو نکڑ ناٹک، محمد کاظم، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء

۶۶۔ منظوم ڈرامے کی روایت، عارف نقوی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۱ء

۶۷۔ انوار اُردوڈراما، فصیح احمد صدیقی، فاران پبلشرز، بمبئی، ۲۰۰۲ء

۶۸۔ اُردوڈراما آزادی کے بعد، شہناز صبیح، چاند پرنٹرس، الہ آباد، ۲۰۰۳ء

۶۹۔ اُردوڈراما: آزادی سے قبل، فرغانہ، مسکین بک ڈپو، جے پور، ۲۰۰۶ء

۷۰۔ ہندوستانی نکڑ ناٹک اور اس کی سماجی معنویت، محمد کاظم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء

۷۱۔ بلوچستان میں سٹیج ڈرامے کی روایت، فضل الرحمٰن قاضی، قلات پبلشرز، کوئٹہ، ۲۰۰۸ء
۷۱۔ بنگال میں اُردو نکڑ ناٹک، محمد کاظم، مغربی بنگال اُردو اکادمی، کلکتہ، ۲۰۱۳ء
۷۲۔ اُردو لوک ناٹک، روایت اور اسالیب، کنول ڈبائیوی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۷۳۔ جدید اُردو ڈراما، ۱۹۴۷ء کے بعد، فرغانہ، بک امپوریم، پٹنہ، ۲۰۱۵ء
۷۴۔ دہلی میں تاریخی ڈراما نگاری، محمد رضی الرحمٰن، ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۷۵۔ ریڈیائی ڈراما: تاریخ اور تکنیک، محمد شکیل اختر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۷۶۔ اُردو ڈرامے کے نمائندہ نسائی کردار، شمائلہ حسن، ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، ۲۰۱۶ء
۷۷۔ آزادی کے بعد اُردو ڈراما، شبانہ نسرین، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۷۸۔ لاہور میں اُردو تھیٹر کی روایت اور ارتقا، محمد سلمان بھٹی، بک ٹائم، کراچی، ۲۰۱۶ء
۷۹۔ اُردو ڈراما کی موجودہ صورتِ حال، مرتبہ راجستھان اُردو اکادمی، جے پور، ۲۰۱۷ء
۸۰۔ اُردو اسٹیج ڈراما اور الحمرا آرٹس کونسل لاہور، ادارہ نقوش، لاہور، ۲۰۱۸ء
۸۱۔ اشفاق احمد کے چند ریڈیائی ڈرامے، سلامت صادق، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء
۸۲۔ ریڈیو پاکستان کراچی کی علمی و ادبی خدمات، محمد اقبال خاں اسدی، شہزاد، کراچی، ۲۰۱۸ء

(ب)۔ ڈراما نگاروں پر الگ الگ سے بھی تحقیقی وتنقیدی کتب سامنے آئی ہیں ان کی تفصیل پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ آغا حشر اور ان کے ڈرامے، سید وقار عظیم، اُردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۰ء
۲۔ تاج کے ڈرامے انارکلی پر ایک نظر، روح افزا رحمان، کتاب کار، رام پور، ۱۹۶۵ء
۳۔ آغا حشر اور ان کا فن، اے بی اشرف، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۸ء
۴۔ محمد مجیب کی ڈراما نگاری، قمر اعظم ہاشمی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۶ء

۵۔ اُردو ڈراما اور انار کلی، حیدر عباس رضوی، بھوپال بک ہاؤس، بھوپال، ۱۹۷۷ء
۶۔ مطالعہ انار کلی، نجم الحسن انجم ادیب، نسیم بک ڈپو لکھنو، ۱۹۷۸ء
۷۔ آغا حشر کاشمیری اور اُردو ڈراما، انجمن آرا انجم، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۹ء
۸۔ اُردو کے اہم ڈراما نگار آغا حشر، ابراہیم یوسف، مالوہ پبلشنگ ہاؤس، بھوپال، ۱۹۸۱ء
۹۔ آغا حشر کاشمیری۔ حیات اور کارنامے، مسز شمیم ملک، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۶ء
۱۰۔ حکیم احمد شجاع اور ان کا فن، اے بی اشرف، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۸۷ء
۱۱۔ آغا حشر کاشمیری اور ان کے ڈراموں کا تنقیدی مطالعہ، محمد شفیع، عوامی پریس، مالیگاؤں، ۱۹۸۸ء
۱۲۔ ڈرامے کا فن اور انار کلی، صبغت اللہ، مالک پبلشرکز، بنگلور، ۱۹۹۰ء
۱۳۔ اُردو ڈراما اور آغا حشر، اے بی اشرف، بیکن بکس ملتان، ۱۹۹۲ء
۱۴۔ انار کلی: ایک تنقیدی جائزہ، انیس قاری، ثمینہ اختر، ادب عالیہ پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء
۱۵۔ اُردو ڈراما اور ابراہیم یوسف، محمد تاتار خاں، شالیمار پرنٹرز، حیدر آباد، ۱۹۹۸ء
۱۶۔ خواجہ معین الدین اور تعلیم بالغاں، فخر الحق نوری، پولیمر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء
۱۷۔ امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن، گوہر نوشاہی، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء
۱۸۔ پردۂ غفلت اور اس کا تنقیدی جائزہ، سلیم اختر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء
۱۹۔ آغا حشر کاشمیری: حیات اور ڈراما نگاری، اقبال جاوید، اریب پبلی کیشنز، کلکتہ، ۲۰۰۲ء
۲۰۔ آغا حشر: شخصیت اور فن، شبنم حمید، شعبہ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء
۲۱۔ سید امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن، محمد سلیم ملک، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۵ء
۲۲۔ خواجہ معین الدین کے ڈرامے، انوار احمد، روبینہ ترین، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۶ء
۲۲۔ اُردو ڈراما کے فروغ میں منجو قمر کا حصہ، ممتاز مہدی، منجو قمر میموریل کمیٹی، حیدر آباد، ۲۰۰۸ء
۲۴۔ پروفیسر محمد حسن کی ڈراما نگاری، خالدہ خاتون، ارم پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۰ء
۲۵۔ سید امتیاز علی تاج کی تمثیل شناسی، مرتبہ محمد سلیم ملک، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۰ء

۲۶۔ تھیٹر، پارسی تھیٹر اور آغا حشر کاشمیری، انیس اعظمی، ایم۔آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء
۲۷۔ اظہر افسر اور اُردو ڈراما، وحید انجم، کرناٹک اُردو اکادمی، بنگلور، ۲۰۱۲ء
۲۸۔ ریوتی سرن شرما: بحیثیت ڈراما نگار، تسلیم جہاں، عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
۲۹۔ محمد حسن کی ڈراما نگاری: ایک مطالعہ، جاوید حسن، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۳۰۔ آغا حشر کاشمیری، یعقوب یاور، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۶ء
۳۱۔ ڈراما انارکلی: تحقیق و تنقید کے آئینے میں، شازیہ رزّاق، دستاویز مطبوعات، لاہور، ۲۰۱۸ء
۳۲۔ انارکلی: منتخب مضامین، رفعت رفیق، صفّہ بک کمپنی، لاہور، ۲۰۱۸ء
۳۳۔ مشتاق قمر کے ناول اور ڈراما کا خصوصی مطالعہ، جنید مظفّر، انجم پبلشرز، راولپنڈی، ۲۰۱۶ء